ہفت روزہ
ندائے خلافت
۲۷/جون ۱۹۹۴ء

☆ داعیٔ تحریک کے تیسرے خطبۂ خلافت کی پہلی قسط
☆ پاکستان کی بقا کے دشمن خفیہ ہاتھ : نقطۂ نظر
☆ تنظیم الاخوان کا پہلا ملک گیر اجتماع : ایک تاثر

حدیثِ امروز

وقتِ دعا ہے

ملکی سیاست کی گرم بازاری روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ حکومت نے قائد حزب اختلاف کے "جنگلوں" پر یلغار کر کے "تجاوزات" کی جو اینٹ سے اینٹ بجائی تھی اس کا بدلہ انہوں نے صدر مملکت کی "چوٹی زیریں" کو سر کر کے اپنے تئیں اتار دیا ہے لیکن ہار جیت کا فیصلہ ابھی نہیں ہوا اور ہونے کی امید بھی نہیں کیونکہ حکومت کا مقرر کردہ اعلیٰ عدالتی کمیشن بھی قائد حزب اختلاف کو قبول نہیں۔ انہوں نے آج تک حکومت وقت کی طرف سے مصالحت و مفاہمت کی ہر کوشش کو ناکام بنایا اور تعاون کی ایک ایک پیشکش کو پائے حقارت سے ٹھکرایا ہے۔ انہیں انتظار ہے تو صرف اس دعوت کا کہ تشریف لائیے اور نگران وزیر اعظم کے منصب کا حلف اٹھائیے چاہے وہ کسی جانب سے موصول ہو یا پھر اس اطلاع کا کہ بے نظیر حکومت کی بساط لپیٹ دی گئی ہے خواہ خود ان کے لئے اس میں کوئی خوش خبری شامل نہ ہو۔

دوسری طرف وزیر اعظم صاحبہ اخبارات سے اپنی گفتگو میں یک گونہ اطمینان کا اظہار فرماتی ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو اور یہ شور شرابا معمول کے کھیل کا حصہ ہو۔ انہیں اب بھی یقین ہے کہ وہ اپنے عہدے کی میعاد بڑی شان سے پوری کریں گی لیکن یادش بخیر' وہ تو ٦ /اگست ۱۹۹۰ء کی دوپہر تک ایسی ہی خوش فہمی میں مبتلا تھیں تا آنکہ اسی سہ پہر ان کی حکومت برخاست کر دی گئی۔ وہ دل کو بہلانے کی غرض سے اب بھی جس خیال کا چاہیں سہارا لیں لیکن نظر یہ آتا ہے کہ کچھ نہ کچھ ہو رہنے میں زیادہ دیر نہیں۔ اس صورت حال پر ہمیں بھی تشویش ہے۔ یہ فکرمندی نہ بے نظیر صاحبہ کے مستقبل کی طرف سے ہے نہ نواز شریف صاحب کے عزائم کی طرف سے' ڈر ہے تو یہ کہ ملک کا سیاسی نظام کہیں پھر پٹڑی سے اتر نہ جائے جو بڑی اللہ آمیں کے بعد لائن پر چڑھا تھا۔ اب تو یہ امید بھی دم توڑ رہی ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفوں سے ہونے والے عام انتخابات وطن کے حق میں نیک شگون ثابت ہو سکیں گے کیونکہ جو تازہ رجحانات سیاسی عمل میں در آئے ہیں' وہ کسی بھی منتخب حکومت کو قدم جمانے کا موقع فراہم کرتے دکھائی نہیں دیتے۔ یہ طرز عمل جو "کھیلیں گے نہ کھیلنے دیں گے" سے عبارت ہے' ملک و قوم کا اپنا کھیل بگاڑ کر رہے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ متحارب فریقوں کو ہوش کے ناخن لینے کا کوئی مشورہ کارگر نہیں ہو رہا' کوئی تجویز شرف قبولیت حاصل کرتی نظر نہیں آتی اور کوچۂ سیاست ایسے بے غرض سیاست دانوں سے بھی خالی ہو کر رہ گیا ہے جو بیچ بچاؤ کے کام آ سکتے۔ لے دے کے ایک ہی آسرا رہ گیا ہے' اسی احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین کے حضور گڑگڑا کر عرض کرنے کا جس نے اپنے فضل سے ہمیں یہ آزاد وطن عطا کیا تھا کہ اس کشتی کو کنارے لگا دے جو خود ہماری نالائقی اور عاقبت نااندیشی کے سبب بھنور میں پھنس گئی ہے۔ سوچنے کی بات البتہ یہ ہے کہ ایسی کسی دعا کا ہمارا منہ بھی ہے!۔OO

قیمت ٦ روپے

ڈسکہ کے ایک سیمینار کی روداد

وقائع نگار

تحریک خلافت پاکستان کے شروع کرنے کا مقصد لوگوں کو اسلام کے عادلانہ نظام "خلافت" سے متعارف کروانا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں جس طرح اسلام کو بطور نعرہ استعمال کیا گیا ہے اور اس کی جو شکل لوگوں کے سامنے لائی گئی ہے' اس سے اصلی شکل کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ مزید برآں پاکستانی انتخابی سیاست کی تاریخ میں مذہبی جماعتوں کی شرمناک شکست نے لوگوں کے ذہنوں میں اس شبہ کو جنم دیا ہے کہ اسلام ناکام ہو گیا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کو اس کی اصل شکل میں بطور مکمل نظام زندگی پیش کیا جائے۔ لوگوں کو اس کی "اخروی برکات" کے ساتھ "دنیاوی برکات" سے بھی متعارف کروایا جائے۔ اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے "تحریک خلافت پاکستان" سرگرم عمل ہے۔

۱۳ مئی بروز جمعۃ المبارک جناح ہال ڈسکہ میں "ہمارے مسائل کا حل اسلامی نظام یا مغربی جمہوری نظام" کے موضوع پر سیمینار منعقد ہوا' جس میں متعدد مذہبی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ سیمینار کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت قرآن پاک محمد اشرف ثاقب معاون تحریک نے کی۔ ان کے بعد نعت رسول مقبولؐ حافظ مطیع الرحمن نے پیش کی۔ بعد ازاں سیکرٹری تحریک خلافت گوجرانوالہ ڈویژن مرزا ندیم بیگ صاحب نے مختصراً تنظیم اسلامی پاکستان اور تحریک خلافت پاکستان کے اغراض و مقاصد بیان کئے۔ انہوں نے سیمینار کے انعقاد کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح کے پروگراموں کا مقصد مناظرانہ اور مجادلانہ روش سے ہٹ کر افہام و تفہیم کی فضا کو پیدا کرنا ہے' تاکہ اسلام کا صحیح تر تصور لوگوں کے سامنے آ سکے اور لوگ اسلام کے عادلانہ نظام خلافت کے لئے تن' من' دھن قربان کر سکیں اور اس نظام کا غلبہ ہو۔

اس کے بعد پروگرام کے پہلے مقرر سید آصف نعیم شاہ تھے جن کا تعلق پاکستان عوامی تحریک سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام ہی انسانیت کے مسائل کا حل ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اتفاق رائے کی فضا کو پیدا کیا جا سکے اور مل جل کر اسلام کے غلبہ کی جدوجہد کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق بنانے کے لئے بعض معاملات میں اجتہاد کی ضرورت ہے۔ ان کے بعد جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے قانون دان جناب محمد انور مغل نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے کبھی جمہوریت کو بھی صحیح طور پر استعمال نہیں کیا ہے بلکہ جو اس کے برے پہلو تھے وہ ہم نے پوری طرح سے اختیار کئے مثلاً بدعنوانی' رشوت' لوٹ کھسوٹ۔ ہمارے ارباب اقتدار بھی انہیں اصولوں کے مطابق چل رہے ہیں۔ بہرحال اگر اسلام کا نظام نافذ ہو جائے تو ان تمام چیزوں کا قلع قمع ہو گا اور تمام لوگوں کو اس کی برکات سے استفادہ کرنے کا موقع ملے گا۔

ہمارے اگلے مقرر جمعیت اہل حدیث ضلع سیالکوٹ کے امیر مولانا محمد حیات صاحب تھے۔ انہوں نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسلام ہی عدل و مساوات کا نظام ہے۔ یہی وہ نظام ہے جس میں خلیفہ کو اس کی قمیص کے بارے میں پوچھا جا سکتا ہے۔ آج کے اس باطل نظام میں یہ چیز ناممکن ہے کہ کسی ذمہ دار کا محاسبہ کیا جا سکے۔ اسلام وہ دین ہے جس کے اختیار کرنے والے اب سب سے زیادہ یورپین ممالک میں ہیں۔ ہمیں بھی اس کو نافذ کرنا چاہئے۔

سیمینار کے اگلے مقرر نائب امیر جمعیت علماء اسلام (سمیع الحق گروپ) پنجاب مولانا فیروز خان صاحب تھے۔ انہوں نے کہا کہ مغرب کا جمہوری نظام کفر اور شرک پر مبنی ہے۔ اس نظام میں رہ کر انتخابات میں حصہ لینا بھی غلط ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام اگر غلبہ پائے گا تو جہاد کے ذریعے سے' یہ کبھی ووٹوں سے قائم نہ ہو گا۔ ہمیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے کسی علمی معاملے میں اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن ان کے اس فلسفہ سے کہ اسلام کا نفاذ بذریعہ منہج انقلاب نبویؐ ممکن ہے' قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان کے بعد جماعت اسلامی ضلع سیالکوٹ کے نائب امیر مولانا عبد الستار نے کہا کہ مغربی جمہوریت کی بجائے اسلام ہی ہمارے مسائل کا حل ہے۔ اسلام اللہ کی حکومت کو صالح عوام کے ذریعے سے قائم کرنے کا نام ہے جبکہ موجودہ مغربی جمہوری نظام میں چاہے چور' ڈاکو' شرابی ہو' اس کا ووٹ بھی ایک عالم و فاضل اور متقی انسان کے ووٹ کے برابر ہے۔ انہوں نے کہا کہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین میں ظلم و تشدد اور ناانصافی بھی ہو سکتی ہے لیکن اسلام کے قوانین میں یہ ناممکن ہے' اس لئے کہ یہ اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان کے بعد جمعیت علماء پاکستان (نیازی گروپ) کے ڈویژنل سیکرٹری علامہ مولانا خالد محمود مدظلہ نے کہا کہ اب اسلام کی شان میں قصیدے پڑھنے کی بجائے عملی طور پر اکٹھے ہو جانے کا وقت ہے۔ اسلام کے عادلانہ نظام کا ہر کسی کو پتہ ہے' اس کے لئے اب اتفاق اور اتحاد کے ساتھ قیام کی کوشش کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ جمہوری نظام ہمارے مسائل کا پیش خیمہ ہے۔

ان کے بعد تحریک خلافت پاکستان کی جانب سے تقریر کرتے ہوئے محمد اشرف وصی نے کہا کہ اسلام کے نام پر لوگوں سے بہت دھوکے ہوئے۔ ہر کسی نے اسلام کا نام لے کر دھوکہ دیا' جس کے نتیجہ میں لوگ اسلام سے دور ہوتے چلے گئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم عزت اور وقار چاہتے ہیں تو ہمیں اسلام کو نافذ اور قائم کرنا ہو گا اور وہ قائم نبوی طریق کار کو اختیار کرنے سے ہو گا۔ ان کے بعد صدر مجلس سیکرٹری تحریک خلافت پاکستان جناب عبد الرزاق نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امت کے عروج کا زمانہ وہ ہے جب اسلام غالب تھا۔ اب بھی امت مسلمہ اگر ذلت و مسکنت کی زندگی سے نجات پانا چاہتی ہے تو اسلام کے عادلانہ نظام خلافت کو قائم کرنا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی اساس اللہ کے دین کا نفاذ تھی۔ اگر ہمیں پاکستان کے استحکام اور بقاء کی ضرورت ہے تو نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد کرنا ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں عصبیتوں' منافرتوں اور بدامنی کا خاتمہ اللہ کی جناب میں اجتماعی توبہ اور قیام کی جدوجہد سے ہو گا۔

پروگرام کے اختتام پر محمد اشرف وصی صاحب نے دعا کروائی۔ اس طرح یہ سیمینار انتہائی کامیابی کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچا۔ OO

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۴ شمارہ ۲۴
۲۷/ جون ۱۹۹۴ء

12

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقام اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: ۶/- روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۲۵/- روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت	۱۲ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش	۱۰ 〃 〃
افریقہ، ایشیا، یورپ	۱۶ 〃 〃
شمالی امریکہ، آسٹریلیا	۲۰ 〃 〃

نیا بجٹ --- ٹاٹ میں مخمل کا ایک اور پیوند

نئے مالی سال کے بجٹ نے صنعت کاروں' تاجروں اور صارفوں میں بے چینی کی لہر دوڑا دی ہے۔ بجٹ ہمارے ہاں بالعموم خوف و ہراس ہی پیدا کیا کرتا ہے تاہم اس بار میزانئے کے مضمرات و مقدرات غیر معمولی وسعت کے حامل ہیں۔ ویلتھ ٹیکس کے سلسلے میں مالیت مقرر کرنے کے نئے فارمولے اور اس کی ادائیگی انکم ٹیکس میں محسوب نہ ہونے ہی سے ٹیکس دہندگان پر بوجھ کئی گنا بڑھ جائے گا۔ بعض محصولات میں غیر معمولی اضافے کے بعد کاروبار کی کئی شکلیں غیر منافع بخش بلکہ ناقابل عمل قرار پائیں گی اور سیلز ٹیکس کے دائرے کی غیر معقول وسعت چھوٹے بڑے دکانداروں کے لئے بالکل نئی قسم کی دشواریاں پیدا کرنے کے علاوہ صارفین کی پہلے سے جھکی ہوئی کمر کو توڑ کر ہی رکھ دے گی۔ مہنگائی سے عام لوگوں کی زندگی اجیرن ہو گئی تھی' اب اس کی جو لہر اٹھتی نظر آتی ہے وہ ان کی قوت خرید کو بالکل ہی بہا کر لے جائے گی۔

نہایت محدود مستثنیات کے سوا اشیائے صرف کی ہر نوع پر پرچون فروشی کی سطح پر ٹیکس کی وصولی اور ادائیگی اس معاشرے میں آخر کیسے ممکن بنائی جائے گی جس میں لاکھوں کا مال رسید پرچے کے بغیر بیچا اور خریدا جاتا ہے بلکہ لین دین بھی اکثر زبانی یا پھر "کچی پرچی" کے ذریعے چل رہا ہے۔ سیلز ٹیکس کا یہ مجوزہ نظام' ٹاٹ میں اسی طرح مخمل کا پیوند ہے جیسے ٹوٹی پھوٹی سڑکوں کے جال میں "موٹروے" کو ٹانک کر لگایا گیا تھا۔ پھر یہ بات بھی یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اس سے حکومت کو وصولی کم ہو گی لیکن پکڑ دھکڑ کے نتیجے میں رشوت اور بدعنوانیوں کی گرم بازاری زیادہ بڑھے گی۔ ایسا کوئی ٹیکس ضروری ہی تھا تو اسے برائے نام شرح سے شروع کیا جاتا اور وصولی نقطہ آغاز سے ہی کی جانی چاہئے تھی تاکہ پرچون فروش کے لئے وہ انتظامات کرنے ضروری نہ ہو جاتے جن کا ترقی یافتہ ممالک میں رواج ہے۔

اور اہم ترین بات یہ ہے کہ لوگ ٹیکس کی ادائیگی کو ایک جرمانہ سمجھتے ہیں' وہ دیکھتے ہیں کہ ان کی ادائیگیوں سے جمع ہونے والی رقوم کا جو حصہ خزانے میں پہنچ پاتا ہے' وہ بھی اللوں تللوں میں اڑایا جا رہا ہے تو حکومت کے محصولات کا بوجھ ناقابل برداشت محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ حقیقت کہ ہر طرح کی خدمات کی علیحدہ سے ادائیگی کے بعد ٹیکسوں کے بدلے انہیں جو تحفظ ملنا چاہئے وہ کہیں نظر نہیں آتا۔ آج پاکستان کے ہر شہری کو اپنے مال' جان اور آبرو کی حفاظت کا بندوبست خود کرنا پڑ رہا ہے' اس پر کوئی زیادتی ہو جائے تو داد فریاد کے لئے مفت کی ذلت و خواری کے علاوہ بھاگ دوڑ میں اسے اپنے جوتے بھی گھسانے پڑتے ہیں۔ خود عدالتوں میں انصاف کا منہ دیکھنے کے لئے وقت اور روپے کے ساتھ سفارش و ساز باز کے جو چکر چلانے ضروری ہو گئے ہیں' ان کے ذکر ہی سے دل دونیم ہوتا ہے۔ اس کیفیت میں عوام سے مزید "قربانی" کس منہ سے مانگی جا رہی ہے!۔

صارفین کو پہلے تو بھٹو مرحوم کی قومیانے کی پالیسی کے نتیجے میں افسر شاہی نے لوٹا' اب وہ نواز شریف صاحب کی "نجکاری" بھگت رہے ہیں جس کا شاہکار سیمنٹ سازی اور اس کی آسمان سے باتیں کرتی قیمت ہے۔ اعداد و شمار سے ثابت ہو چکا ہے کہ سیمنٹ کے کارخانے تقریباً مفت دوست احباب میں بانٹ دیئے گئے جن کے دو گروپ اس صنعت پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ نجکاری کے بعد سے بہت مختصر مدت میں سیمنٹ کی خوردہ قیمت دگنی ہو گئی در آنحالیکہ اس کی تیاری میں استعمال ہونے والا سو فیصد خام مال سیمنٹ فیکٹریوں کو آس پاس ہی سے تقریباً مفت دستیاب ہوتا ہے۔ دریں اثناء قیمت اگر بڑھی ہے تو صرف قدرتی گیس کی جس کا کام پتھر اور جپسم کے پاؤڈر کو جلا کر سیمنٹ کی شکل دینا ہے جبکہ سیمنٹ پلانٹ بھی پاکستان اب خود تیار کرتا ہے جس کی لاگت درآمدی مشنری سے یقیناً کم ہو گی۔ صارفین یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر پچھلی حکومت نے نجکاری میں مال بنایا تھا تو کیا نئی حکومت نے بھی سیمنٹ کے کارخانوں سے اپنا حصہ وصول کرنا شروع کر دیا ہے؟۔ ایسا نہیں تو انہیں بدستور من مانی قیمتیں وصول کرنے کی کھلی چھٹی کیوں ہے؟۔

عالمی بنک اور بین الاقوامی مالیاتی ادارے اپنی مقروض حکومت سے کیا چاہتے ہیں اور قومی پیداوار میں اضافے اور افراط زر کے اعداد و شمار کہاں سے کہاں پہنچ گئے' یہ عام لوگوں کی سمجھ میں آنے والی چیزیں نہیں' یہ گورکھ دھندا ماہرین مالیات کا درد سر ہے جبکہ عام لوگوں کو تو صرف یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ ضروریات زندگی کو پورا کرنا پہلے کتنا مشکل تھا' اب کتنا اور کٹھن ہو گیا ہے اور اس اعتبار سے مجوزہ بجٹ میں ان کے لئے کوئی خوش خبری موجود نہیں البتہ ان کی صبحوں شاموں میں کچھ اور تلخیاں ضرور گھول دی جائیں گی۔ OO

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الہدیٰ

سورۃ البقرہ

آیت نمبر ۱۹۳

اور ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے

(کہ اب اس موقع پر جبکہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی جدوجہد اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہے اور مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی باضابطہ اجازت مل گئی ہے' یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ اس جنگ و جدال کا اصل ہدف کیا ہے اور قتال کا یہ سلسلہ جو اب غزوۂ بدر کی صورت میں شروع ہونے والا ہے اس کا اختتام کہاں ہو گا---- مسلمانوں سے صاف طور پر کہہ دیا گیا کہ تمہاری تلواریں جو نیام سے باہر آچکی ہیں یہ نیام میں واپس نہیں جائیں گی جب تک کہ فتنہ و فساد مکمل طور پر فرو نہ ہو جائے اور کفر و شرک پر مبنی یہ باطل نظام بیخ و بن سے ادھیڑ نہ دیا جائے اور نتیجۃً پورا نظام اطاعت اللہ ہی کا ہو جائے' یہ سارا چمن نغمہ توحید سے معمور ہو جائے اور اللہ کی حاکمیت صرف تسلیم نہ کی جائے عملاً بھی اس کو نافذ و رائج کیا جائے۔ جب تک یہ صورت نہیں ہوتی' مشرکین کے خلاف جنگ و قتال کا یہ سلسلہ جاری رہے گا--- اس آیت کے بین السطور میں اس بات کا واضح اشارہ موجود ہے کہ مشرکین عرب کے خلاف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی جنگ محض دفاعی نوعیت کی نہیں تھی بلکہ سرزمین عرب پر دین حق کے غلبے کی خاطر اور یہاں سے کفر و شرک کے باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی انقلابی جدوجہد کے آخری مرحلے کے طور پر تلوار کا استعمال ناگزیر تھا کہ نظام کی تبدیلی کے عمل میں یہ مرحلہ لامحالہ آکر رہتا ہے۔ آپؐ کو بحیثیت خاتم النبیین اور بطور آخر المرسلین جو خصوصی مشن سونپا گیا تھا اور جس کا قرآن حکیم میں تین مقامات پر باہتمام تذکرہ موجود ہے' یہی تو تھا کہ آپ دین حق کو پورے نظام اطاعت پر اور پورے سسٹم پر غالب کر دیں' خواہ مشرکین کو یہ بات کتنی ہی ناگوار ہو۔ یہ مشرکین عرب اگر آپؐ کے مشن کی راہ میں مزاحم ہوں تو قوت و طاقت سے ان کی سرکوبی کرنا ہو گی' سورۃ الصف میں مسلمانوں کی حمیت دینی کو اسی حوالے سے للکارا گیا ہے اور انہیں جہاد و قتال پر آمادہ کرنے کے لئے ترغیب و ترہیب کے مختلف اسالیب اختیار کئے گئے ہیں اور نبیؐ کے اس مشن میں ان کے دست و بازو بننے کی پرزور دعوت دی گئی ہے!!)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

پھر اگر وہ باز آجائیں تو کسی پر زیادتی روا نہیں سوائے ظالموں کے O

(ہاں اگر یہ لوگ دین حق کی مخالفت سے باز آجائیں' مقابلے سے دستبرداری کا اعلان کریں اور اللہ کے نظام کو تسلیم کرلیں تو اب ان کے خلاف تلوار کا استعمال نہیں ہو گا بلکہ سورۂ توبہ کے الفاظ کے مطابق وہ تو تمہارے دینی بھائی بن جائیں گے' پھر ان پر کسی قسم کی زیادتی کیونکر روا ہو سکتی ہے!!)

جوامع الکلم

جس شخص کو موت آئی اس حال میں کہ نہ تو کبھی وہ کسی غزوہ میں شریک ہوا اور نہ اس کی آرزو کبھی اس کے دل میں پیدا ہوئی تو اس کی موت ایک نوع کے نفاق پر ہوئی O

(جہاد و قتال فی سبیل اللہ کو محض اضافی نیکی قرار دے کر فرائض دینی کی فہرست سے خارج کرنے والوں کے لئے یہ حدیث مبارکہ آنکھیں کھول دینے والی ہے کہ جس شخص کو تمام عمر نہ تو اللہ کی راہ میں جہاد میں حصہ لینے کی توفیق ملی اور نہ اس کے دل میں اس آرزو نے انگڑائی لی کہ وہ دین کے غلبہ و اقامت کی جدوجہد میں جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں نکلے اور گردن کٹا کر اللہ کی جناب میں سرخرو قرار پائے' تو ایسے شخص کی موت' ازروئے فرمان نبوی' حالت ایمانی پر نہیں بلکہ ایک نوع کے نفاق پر ہو گی۔ اعاذنا اللہ من ذلک)

(صحیح مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہؓ)

داعیٔ تحریک کے تیسرے خطبۂ خلافت کی پہلی قسط

کمیونزم کی ناکامی اور سرمایہ داری کی بدنامی کے بعد

دنیا کو اب اسلام کے نظام عدل و قسط کی شدید ضرورت ہے

مرتبہ : نثار احمد ملک

خطبہ مسنونہ، متعلقہ آیات کی تلاوت اور ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا: آج کے خطبہ کا موضوع "عہد حاضر میں خلافت کا معاشی و اقتصادی ڈھانچہ" ہے۔ اس حد درجہ اہم موضوع پر گفتگو سے پہلے چند تمہیدی باتیں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے پہلے جب کبھی بھی اقتصادیات کے موضوع پر بات ہوتی تھی تو سوشلزم و کمیونزم کے اقتصادی نظام اور مغربی سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کے مابین ایک تقابل ہمارے سامنے آتا تھا۔ یہ اس لئے ہوتا رہا ہے کہ دنیا میں بالفعل یہی دو نظام موجود تھے۔ جہاں تک تعلق ہے اسلام کا' وہ ذہنوں اور کتابوں میں تو موجود ہے' بالفعل کسی خطہ زمین میں اس کا وجود نہیں ہے۔ اس بات کو اس کہاوت سے سمجھا جا سکتا ہے کہ "مسلمانی در کتاب و مسلمان در گور"۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ دنیا کے دو اقتصادی نظاموں میں سے ایک کی موت واقع ہو چکی ہے۔ مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام اس وقت بڑے سرور اور نشے کی کیفیت میں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کمیونزم و سوشلزم کے اقتصادی نظام کی ناکامی نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ہمارا نظام صحیح ہے۔ مغرب میں اس وقت اپنی اس فتح پر جشن منایا جارہا ہے۔

اصولاً میں یہ بات عرض کر دوں کہ کمیونزم کا اقتصادی نظام اگرچہ ایک غیر فطری انتہا پسندی کو چھونے لگا تھا لیکن اصلاً وہ مغرب کی سرمایہ دارانہ معیشت کا فطری و منطقی رد عمل تھا۔ اس وقت دنیا میں پھر وہی مغربی سرمایہ دارانہ نظام چھایا ہوا ہے۔ اگر اسلام کا اقتصادی نظام دنیا میں نافذ نہ ہوا تو یہ رد عمل دوبارہ کسی اور شدید تر شکل میں ظاہر ہو جائے گا۔ مغربی سرمایہ دارانہ نظام میں یقیناً کوئی فساد تھا کہ رد عمل میں کمیونزم آیا۔

اسلام نے مارکسزم کے چار رہنما اصولوں (Cardinal Principles) کو اپنے ہاں روحانی و اخلاقی سطح پر برقرار رکھا ہے' قانونی سطح پر نہیں۔ پہلا اصول انسانی ملکیت کی نفی ہے۔ ہر شے اللہ کی ملکیت ہے' یہ نہ کسی انسان کی انفرادی ملکیت ہے نہ ہی قومی ملکیت ہے۔ قرآن حکیم میں یہ الفاظ ایک سے زیادہ مرتبہ آئے ہیں کہ "للہ ما فی السموات وما فی الارض"۔ انسان کے پاس جو کچھ ہے امانت ہے۔ انسان کو جو کچھ ملتا ہے وہ محض انسانی محنت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور فضل وہ شے ہوتی ہے جو بلا استحقاق ملتی ہے۔ جبکہ اجر و اجرت استحقاق کی بنیاد پر ملتے ہیں۔ بندۂ مومن کو یہ کبھی نہ سمجھنا چاہئے کہ اسے یہ سب کچھ اس کی کمائی اور محنت سے میسر آگیا ہے۔ اور نہ ہی اسے اپنی صلاحیت اور ذہانت کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔ سورۂ جمعہ میں آتا ہے کہ "فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ"۔ چنانچہ اس فضل میں انسان کا جائز حق صرف اس کی ضروریات ہیں۔ جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہے وہ حقیقت میں اللہ نے آزمائش کے لئے ہمیں عطا کردیا ہے۔ وہ امتحان یہ ہے کہ اس زائد مال کو فقراء و مساکین میں بانٹ کر "حق بحقدار رسید" کا معاملہ کرتے ہو یا اس کے اوپر غاصبانہ قبضہ کر کے بیٹھ جاتے ہو کہ یہ میرا مال ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ "یسئلونک ما ذا ینفقون قل العفو" یعنی اے رسول! آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں' کہہ دیجئے کہ جو بھی ضرورت سے زائد ہو خرچ کر دیجئے!!۔ آپ غور کیجئے کہ اس سے اونچا بھی کوئی "سوشلزم" ممکن ہے۔ لیکن یہ ہے رضاکارانہ اور اختیاری' اس کو قانون نہیں بنایا جا سکتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطابق زندگی گزاری ہے۔ آپؐ نے پوری زندگی کچھ بچا کر رکھا ہی نہیں کہ زکوۃ کا سوال پیدا ہو۔ میں جب یہ کہا کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی زکوۃ دی ہی نہیں' تو اس پر لوگ چونک جاتے ہیں۔ زکوۃ کا سوال تو تب پیدا ہوتا جب آپ کچھ بچا کر رکھتے اور صاحب نصاب ہوتے۔ اس کو میں "Spirtual Socialism" سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔

جس روحانی سوشلزم کا ذکر ابھی ہوا ہے اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بہت سے فقراء صحابہ نے بھی زندگی گزاری ہے۔ انہی فقراء صحابہ میں سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدت زہد کی وجہ سے کسی قدر انتہاپسندی کی طرف مائل ہو گئے۔ چنانچہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ سونے کا ایک ٹکڑا بھی اپنے پاس رکھنا حرام مطلق ہے۔ یہ معاملہ صرف صحابہؓ تک محدود نہ تھا بلکہ ہمارے صوفیاء عظام نے بھی اسی روحانی سطح پر زندگی بسر کی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام انہی صاحب کردار لوگوں کی وجہ سے پھیلا ہے۔ ہمارے ہاں جو بادشاہ آئے وہ اسلام کی طرف دعوت دینے کی بجائے اسلام سے متنفر کرنے والے تھے۔

مندرجہ بالا اصولوں کے برعکس میں آپ کو چار اصول ایسے بتانا چاہتا ہوں جن کی بنیاد پر آج مغربی معیشت فتح مند ہے۔ یہ اصول اسلام میں بھی موجود ہیں۔ پہلا اصول قانونی سطح پر "Private Ownership" کا ہے۔ آپ کسی بھی چیز کے مالک ہو سکتے ہیں۔ آپ ہر استعمال کی شے کے مالک ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح ذرائع پیداوار کی بھی "Private Ownership" ہو سکتی ہے۔ آپ دکان' کھیت اور کارخانے کے مالک ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ معیشت کا اصل الاصول ہی نجی ملکیت کا

تصور ہے۔ اس تصور کا ایک منطقی نتیجہ "Personal Insentive" (ذاتی ترغیب) نکلتا ہے۔ آپ زیادہ محنت کریں' راتوں کو جاگیں اور اپنی جائیداد میں اضافہ کریں اپنی پیداواری اضافہ آپ کا اپنا ہو گا۔ اسی بنا پر کیمونزم کی موت واقع ہوئی ہے کہ وہاں پر وہ Personal Insentive نہیں تھا۔ میں کیوں زیادہ کام کروں جبکہ مجھے معلوم ہے کہ مجھے ایک معین مشاہرہ ملنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں جو صنعتیں قومیائی گئیں' ان کا بیڑہ غرق ہو گیا۔ ظاہر بات ہے کہ کارخانہ دار تو راتوں کو جاگے گا۔ اس کو معلوم ہے کہ اگر یہ خراب پرزہ آج رات ٹھیک نہ ہوا تو میرا کارخانہ کل بند رہے گا جس سے مجھے اتنے لاکھ کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس کے برعکس اگر جنرل منیجر صاحب صرف ایک تنخواہ دار آدمی ہیں تو اس کا اپنا کوئی ذاتی مفاد تو اس میں نہیں ہے۔ وہ کس لئے محنت کرے! خراب ہوتا ہے تو ہو' بند ہوتا ہے تو ہو جائے!

تیسری چیز Market Economy ہے' جو Demand and Suply کے اصول پر مبنی ہے۔ اس اصول کے تحت چیزوں کی رسد زیادہ ہے اور طلب کم ہے تو قیمتیں گر جائیں گی۔ اس کے برعکس اگر چیزوں کی رسد کم ہے اور طلب زیادہ ہے تو قیمتیں بڑھ جائیں گی۔ اس اصول کے ہوتے ہوئے کسی Artificial Control کی ضرورت نہیں اگر آپ کریں گے تو سوائے اس کے کہ لوگوں کو آپ بے ایمان بنائیں کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

مغربی سرمایہ دارانہ معیشت کا چوتھا اصول "Hire and Fire" ہے۔ آپ کسی شخص کو اپنے ہاں ملازم رکھتے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ وہ یہ کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ اس کام کو احسن انداز میں انجام دے گا۔ آپ کے ذہن میں یہ بھی ہے کہ "Out Put" کیا ہو گی۔ آپ اس کے ساتھ تنخواہ کا معاملہ بھی طے کر لیتے ہیں لیکن آپ کچھ عرصہ کے بعد محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس صلاحیت کا مالک نہیں ہے یا محنت نہیں کرتا۔ اب آپ نے جس طرح اسے "Hire" کیا تھا اسی طرح "Fire" بھی کر سکتے ہیں۔

یہ چاروں اصول اسلام میں موجود ہیں۔

جس طرح نظام خلافت کے سیاسی و دستوری نظام پر گفتگو کرتے ہوئے میں نے کہا تھا کہ کسی بھی جمہوری نظام میں تین چیزیں شامل کر دی جائیں تو وہ نظام خلافت میں تبدیل ہو جائے گا۔ وہ تین چیزیں تھیں اللہ کی حاکمیت' کتاب و سنت کی کامل بالادستی اور مسلم قومیت کا تصور۔ بالکل اسی طرح مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام سے تین چیزیں نکال دیجئے تو وہ اسلامی نظام معیشت میں ڈھل جائے گا۔

پہلی چیز جو مغربی سرمایہ دارانہ نظام سے نکالنی ہے وہ ربو ہے۔ یہ ایک چیز ہے لیکن بہت ہی بھاری ہے۔ یہ اس نظام معیشت میں بہت بری طرح پیوست ہو چکا ہے۔ سورۃ توبہ میں بعض منافقین کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ نفاق نے ان کے دلوں میں اس طریقے سے جڑیں پکڑ لی ہیں کہ اب وہ نکل نہیں سکتا جب تک کہ دل کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیئے جائیں۔ آپ یوں سمجھئے کہ کینسر ہے جو پورے جسم میں سرایت کر گیا ہے۔ اب آپ کہاں کہاں سے آپریشن کریں گے۔

تن ہمہ داغ داغ شد
پنبہ کجا کجا نہم

بالکل اسی طرح یہ ربو ہماری معیشت کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے جو ٹکڑے ٹکڑے کئے بغیر نکل نہیں سکتا اور اسی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا نام ہی انقلاب ہے۔

دوسری چیز جو اس مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام معیشت سے نکالنی ہے وہ جوا ہے۔ تیسری چیز جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری نکال دیجئے۔ ظاہر یہ چھوٹی چھوٹی تین چیزیں لگتی ہیں لیکن نظام کو مکمل طور پر بدلے بغیر ان کو نکالنا ممکن نہیں ہے۔

اسلام کے نظام معیشت کے حوالے سے میں چند بنیادی باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ کہ اسلام چاہتا ہے کہ سرمایہ کاری تو ہو لیکن سرمایہ داری نہ ہو۔ مغربی معیشت سرمایہ کاری پر مبنی ہے لیکن جب اس میں سود شامل ہو جاتا ہے تو اب یہ سرمایہ داری بن جاتی ہے۔ سرمایہ کاری یہ ہے کہ آؤ کام کرو' سرمایہ لگاؤ اور تجارت کرو لیکن سرمایہ داری کی اجازت نہیں ہے۔ سرمایہ داری کے بارے میں قرآن میں کہا گیا ہے کہ "کی لا یکون دولہ بین الاغنیاء منکم"۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ سرمایہ تمہارے امیروں ہی کے درمیان گردش کرتا رہے۔ اس طرح طبقاتی تقسیم پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں "مترفین" اور "محرومین" کے طبقات وجود میں آتے ہیں۔

مترفین کا طبقہ کیسے وجود میں آتا ہے؟ ہر معاشی Proposition میں تین چیزیں شامل ہوتی ہیں اور وہ سرمایہ' محنت اور موقع ہیں۔ وہی سرمایہ اور وہی محنت ایک خاص وقت میں زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوتے ہیں جبکہ وہی سرمایہ اور محنت کسی دوسرے موقع پر اس قدر نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتے۔ یہ تینوں عناصر ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ اسلام نے اصلاً زور محنت پر دیا ہے۔ گویا محنت کو تحفظ حاصل ہے۔ سرمایہ محض سرمائے کی حیثیت میں Earning Factor بن جائے' یہ غلط ہے۔ اسی طرح Chance محض Chance کی حیثیت سے کمائی کا ذریعہ بن جائے' یہ حرام ہے۔ جب سرمایہ' سرمائے کی حیثیت میں Earning Agent بنتا ہے تو اس کی آخری شکل سود ہے۔ ربو ہے ہی یہ کہ محنت کے بغیر ایک مقررہ و معین منافع حاصل کیا جائے۔ اس طرح نقصان سے کوئی سروکار سرے سے ہی نہیں۔ اسلام اور قرآن کی رو سے' اس سے زیادہ کوئی چیز حرام نہیں ہے۔

جوا کیا ہے؟ محض Chance کی بنیاد پر منافع حاصل کرنا۔ اس میں محنت کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اسلام کی رو سے یہ حرام ہے۔ اسلام نے اس کو اس لئے حرام قرار دیا ہے تاکہ ساری توجہ محنت پر مرکوز ہو۔ ظاہر بات ہے کہ محض محنت سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس محنت کے ساتھ کچھ سرمائے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور کچھ نہ کچھ عمل دخل Chance کا بھی ہوتا ہے۔ لیکن محض Chance کی بنیاد پر کمائی جوا ہے اور محض سرمائے کی بنیاد پر کمائی ربو ہے۔

اب ہم ان اصولی باتوں کا عملی زندگی پر انطباق کرتے ہیں۔ آپ کا اپنا سرمایہ ہے اور اپنی ہی محنت بھی ہے تو یہ بالکل جائز ہے۔ اگر کسی کے پاس تھوڑا سرمایہ ہے تو چھابڑی لے کر چلے گا' اگر زیادہ ہو گیا ہے تو ریڑھی بنا لے گا اور اضافہ ہو گیا ہے تو کھوکھا بنائے گا۔ اسی طرح درجہ بدرجہ بڑھتا چلا جائے۔ اس ضمن میں قرآن حکیم نے صرف ایک قدغن لگائی ہے۔ یاایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم "یہ تجارت باہمی رضامندی سے ہو۔ اگر آپ کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھائیں گے تو آپ اخلاقی طور پر ایک جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اسی طرح بہت سے لوگ مل کر سرمایہ جمع کریں اور خود مل کر محنت کریں' اس کا نام شراکت ہے۔ یہ بھی بالکل جائز پسندیدہ اور مطلوب ہے۔ اس میں بھی ایک شرط عائد کی گئی ہے۔ یہ Limited Company کا تصور حرام ہے۔ دنیا میں تمام سکینڈلز اسی Limited Company کی

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

خلافت کا ذکر انہیں ناگوار گزرا

اقتدار احمد

"نوائے وقت" کی جانب سے یک طرفہ کارروائی ہنوز جاری ہے

قومی روزنامے نوائے وقت کی طرف سے ڈاکٹر اسرار احمد پر نوازشات کا سلسلہ جاری ہے۔ "پروفیسر رضوان الحق" صاحب کی تحریر کے جواب میں میری گزارشات اس موقر اخبار میں جگہ نہ پا سکیں جو "ندائے خلافت" کے قارئین نے گزشتہ شمارے میں پڑھ لی ہیں۔ ہم تو ان عنایات کے باوجود "نوائے وقت" کی قدر کرتے ہیں اور اس میں ہماری اپنی غرض بھی شامل ہے کہ ہمیں چونکہ پاکستان سے محبت ہے لہٰذا ہر اس شخص کو سر آنکھوں پر بٹھانے پر مجبور ہیں جسے اس ملک کی فکر ہو۔ تشخیص و تجویز میں نوائے وقت سے لاکھ اختلاف رکھتے ہوئے بھی ہم اس کی سکہ بند پاکستانیت کے بہرحال قائل ہیں چنانچہ اس سے ہمارے گلے شکوے چلتے رہیں گے جن کی نوعیت اس شعر سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔

ہر روز ایک تازہ شکایت ہے آپ سے
واللہ مجھ کو کتنی محبت ہے آپ سے۔

ہم وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو اپنے دین اور اپنے وطن سے بیک وقت محبت کا رشتہ نبھا سکتے ہیں اور اس سہولت کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنا ہو تو ان مسلمانوں کی قلبی و ذہنی کیفیت کو تصور میں لانے کی ضرورت ہے جنہیں ہم بھارت میں چھوڑ آئے کہ ہماری آزادی کا خمیازہ بھگتتے رہیں۔ وہ اسلام کا دم بھریں تو اپنے وطن کے حق میں کانٹے بوتے ہیں اور وطن کو چاہیں تو دین کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے۔ کاش پاکستان کے مسلمانوں میں اپنے اس امتیاز کا شعور بیدار ہو جائے جس کے نتیجے میں ذمہ داریوں کا احساس بھی پیدا ہو سکتا ہے اور یہی احساس تو ہے جس نے ہمیں بے چین کر رکھا ہے۔

اسی صفحہ پر "نوائے وقت" کی خدمت میں ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" ملتان کے شمارہ جون ۹۴ء سے ایک ادارتی شذرہ عنوان سمیت پیش کیا جا رہا ہے جو کسی شرح کا تو محتاج نہیں البتہ ہماری جانب سے ایک شعر اگر اس میں ٹانک لیا جائے تو ابلاغ کا حق ادا ہو جائے گا۔

جس روز کسی اور پہ بیداد کرو گے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کرو گے

اس دوران ڈاکٹر محمد امین صاحب نے اپنے کالم میں صدارتی طرز حکومت کو نظام خلافت سے قریب تر قرار دینے پر امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت، ڈاکٹر اسرار احمد کی (نام لئے بغیر) گردن ناپی ہے۔ فاضل کالم نگار نے تو ڈاکٹر صاحب موصوف کی طرف واضح اشارے کر کے بھی احتیاط برتی تھی..... وہی احتیاط جو اپنے نکاح کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے مسی

"نظریاتی صحافت' دعویٰ اور حقیقت"

روزنامہ "نوائے وقت" پاکستان میں نظریاتی صحافت کا بہت بڑا علم بردار مانا اور منوایا جاتا ہے۔ نظریہ پاکستان کے ساتھ نوائے وقت کی جذباتی وابستگی اور حساس نوعیت کے خفیہ و علانیہ تعلقات کے وجود سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ جس طرح اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ پاکستان اور نظریہ پاکستان کی جو درگت گزشتہ سینتالیس برس میں ہمارے یہاں بنی ہے' اس میں مسلم لیگی سیاست اور نوائے وقتی صحافت کے کئے دھرے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

شومئی قسمت سے آج کل تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب "نوائے وقت" کے زیر عتاب ہیں۔ جرم یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب قائداعظم کو "امام اعظم" ماننے اور نوائے وقت کی فقہ کو "شریعت حقہ" ماننے سے بہرحال انکاری ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان دنوں افتتاحیئے' ادارئیے' فکاہیئے' مزاحیئے' قطعے' سب ڈاکٹر صاحب کی تردید و مذمت کے لئے وقف ہیں۔ خصوصی مضامین ان پر مستزاد ہیں۔ ہم ڈاکٹر صاحب کی پیش دستی اور نوائے وقت کے ڈھول دھپے کو ان دونوں کا باہمی معاملہ بلکہ ان کے دیرینہ رومان کا شاخسانہ ہی سمجھتے ہیں البتہ ہمیں یہ دیکھ کر ضرور حیرت ہوئی ہے کہ نوائے وقت اپنی عمر کے ۵۴ ویں سال میں بھی اسی قدر ہرزہ سرا اور خارج آداب وقار و تمکیں ہے جتنا وہ مزمنہ امراض کے حملے کے اوقات میں ہو جایا کرتا ہے۔

۲۷ مئی (۹۴ء) کے نوائے وقت کے ادارتی صفحے پر کسی پروفیسر رضوان الحق کا مضمون ڈاکٹر اسرار صاحب کے جواب میں شائع ہوا ہے۔

یہ مضمون خلط مبحث' جہل مرکب اور خبط حواس کا دل آویز مجموعہ اور حسین امتزاج ہے۔ خصوصاً ابوالکلام آزاد اور حسین احمد مدنی (رحمتہ اللہ علیہم) کے متعلق دشنام طرازی اور افتراء پردازی کی جن بلندیوں کو چھونے میں پروفیسر موصوف نے کامیابی حاصل کی ہے وہ لائق "صد آفرین" (یا لائق صد نفرین) ہے۔ ابھی پچھلے دنوں' مجید نظامی صاحب کی ۴۰ سالہ صحافتی خدمات کی تقاریب سجائی گئیں۔ کیا وہ صحافتی خدمات یہی ہیں؟ مخالف نقطۂ نظر کو چھاپنے سے انکار اور گریز' مخالف نقطۂ نظر کی سراسر من گھڑت تاویلات اور تعبیرات کا ڈھول پیٹنا!

نوائے وقت جس ماڈرن اسلام کی خواہش میں گھلتا ہے اور جن استحصالی اداؤں سے مخصوص دینی تحریکوں پر غراتا ہے۔ ان کے پیش نظر "نظریاتی صحافت" کی حقیقت عریاں ہو کر سامنے آ گئی ہے۔ OO

ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" ملتان (مئی ۹۴ء)

رحمت اللہ کی جگہ نیک بخت زوجہ ملحوظ رکھتی تھی کہ نماز کے خاتمے پر سلام پھیرتے وقت عمر بھر "السلام علیکم منے کے ابا" کہتی رہی..... لیکن "نوائے وقت" کے ادارتی عملہ نے ڈاکٹر اسرار احمد کی تصویر اس مضمون میں فریم کر کے لٹیا ڈبو دی۔ اب یہ تو اندازہ نہیں کہ فاضل کالم نگار نے اس ستم ظریفی پر کس ردعمل کا اظہار کیا' ڈاکٹر اسرار احمد نے یہ سوچا ہو تو کیا غلط کیا ہو گا کہ۔

"فوٹو" میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس "کالم" میں ہے

تفنن برطرف' ڈاکٹر محمد امین صاحب کی طبع نازک پر نظام خلافت کا ذکر بہت گراں گزرا ہے۔ انہوں نے اس نام کے کسی نظام کے وجود ہی سے انکار کرتے ہوئے بھی اگرچہ اپنی تحریر میں "دور خلافت راشدہ" کی اصطلاح چار پانچ بار استعمال کی ہے تاہم ان کا خیال ہے کہ "کچھ لوگ" اپنی بازی کو ہارتے دیکھ کر اپنے مایوس پیروکاروں کا دل رکھنے کے لئے نظام خلافت کا یہ بازیچہ اطفال اپنی زنبیل سے نکال کر لائے ہیں۔ وہ محقق ہیں' کسی تحقیق ہی کے بل پر پی ایچ ڈی کی ڈگری سے سرفراز فرمائے گئے ہیں چنانچہ نظام خلافت کے بارے میں بھی ان کے خیالات یقیناً کسی گہری علمی تحقیق و جستجو کا نتیجہ ہوں گے جس کے لئے سلامتی طبع' ذکاوت حس اور فہم و فراست کی شاید ضرورت نہیں ہوتی' وہ فہم و فراست جس کا مظاہرہ ان فرنگیوں نے کیا جنہوں نے بیسویں صدی کے نصف اول تک آدھی دنیا پر حکومت کی تھی۔

اب جگر تھام کر سنئے کہ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے صرف چار ماہ بعد ۲۴ / جولائی ۱۹۲۴ء کو برطانوی وزیر خارجہ لارڈ کرزن نے ہاؤس آف کامنز میں اپنے خطاب کے دوران کہا تھا کہ "صورت حال اب یہ ہے کہ ترکی دم توڑ چکا ہے۔ وہ ہرگز دوبارہ اٹھ نہیں سکے گا کیونکہ ہم نے اس کی اخلاقی قوت یعنی خلافت اور اسلام کو تباہ کر دیا ہے"--- جنگ عظیم دوم کے آغاز سے ذرا پہلے وزیر خارجہ ہی کے ایک خط میں برطانوی وزیر اعظم سے کہا گیا تھا کہ "ہمیں ایسی ہر چیز کو ختم کر دینا چاہئے جو ابنائے اسلام میں کسی بھی دینی اتحاد کی تخم ریزی کر سکے۔ خلافت کو تو ہم ختم کرنے میں کامیاب ہو ہی چکے ہیں' اب اس امر کو یقینی بنانا بھی ہم پر لازم ہے کہ مسلمانوں میں کبھی بھی پھر سے کوئی اتحاد جنم نہ لے سکے چاہے وہ ذہنی و علمی ہم آہنگی یا تمدنی یک رنگی ہی کیوں نہ ہو"---OO

ایف ۱۶: زیادہ کس کی جان پر بنی ہے

امپیکٹ انٹرنیشنل لندن کے جون ۹۴ء کے شمارے میں شائع ہونے والا ایک خط

ان دنوں اکثر سننے میں آرہا ہے کہ امریکہ پاکستان کو کچھ ایف ۱۶ جنگی طیارے دینے پر آمادہ ہے۔ یاد رہے کہ یہ طیارے پرسلر ترمیم کے نتیجے میں پاکستان کو ملنے بند ہو گئے تھے حالانکہ پاکستان ان کی ادائیگی کر چکا تھا۔ مگر مذکورہ بالا ترمیم کے تحت پاکستان کو اس وقت تک فوجی "امداد" پر پابندی لگا دی گئی تھی جب تک کہ وہ اپنے جوہری پروگرام سے ہاتھ نہیں کھینچ لیتا۔

اگرچہ امریکہ اب بھی اپنی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے کہ یہ طیارے پاکستان کے حوالے کرنے سے پہلے اسے اپنا وہ جوہری "ڈراوا" لپیٹ لینے پر آمادہ کر لیا جائے جو اس کی سلامتی کے لئے ناگزیر ہے۔ لیکن "کمپیوٹر بلٹن بورڈ" ایک بالکل مختلف کہانی پیش کرتے ہیں۔ امریکی حکام در حقیقت یہ فرسودہ مشین اب خود پاکستان کے سر منڈھنے کے لئے بے چین ہیں اور پاکستان سے سیاسی مفاد الگ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

۱۵ / مارچ ۹۴ء کا سرکاری خبرنامہ' جس کی شہ سرخی یہ تھی۔ "پاکستان پر اسلحہ کی پابندی اٹھنے سے لاک ہیڈ کو فائدہ حاصل ہو گا" خبر میں مزید بتایا گیا ہے کہ صدر کلنٹن کی تجویز تھی کہ پابندی ختم کرنے کا مقصد پاکستان کو ایف ۱۶ سمیت نئے ہتھیار خریدنے کا موقع فراہم کرنا ہے۔ اس سے فورٹ ورتھ' ٹیکساس میں قائم لاک ہیڈ کارخانے کو چالو رکھنے میں مدد ملنے کی توقع ہے۔ پاکستان نے ۲۸ طیاروں کی ادائیگی کے بعد طے شدہ اے طیاروں میں سے باقی ماندہ کی ادائیگی اس وقت روک دی تھی جب اسے وہ طیارے دینے سے بھی انکار کر دیا گیا جن کی ادائیگی وہ کر چکا تھا' کہ اس کے پاس "اسلامی بم" ہونے کا خدشہ تھا۔ امریکی معیشت شدید بحران سے دوچار ہے جس سے نکلنے کے ابھی تک کوئی آثار نہیں۔ حال ہی میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۳ء کی پہلی چوتھائی کے مقابلے میں ۱۹۹۴ء کی پہلی چوتھائی میں ملازمتوں میں ۱۹.۹ فیصد کی کمی واقع ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یکم جنوری سے ۳۱ / مارچ ۹۴ء کے عرصہ میں روزانہ ۳۱۰۶ کے حساب سے لوگوں کو ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ زیادہ تر جو صنعتیں کمی کا شکار ہوئی ہیں ان میں رسل و رسائل' طیارہ سازی' پرچون' ضروریات زندگی اور کمپیوٹر کی صنعتیں شامل ہیں جہاں اس عرصے میں ۱۲۱۵۴۷ آسامیاں ختم کی گئیں ہیں۔ امریکہ ایک طرف تو اسلحہ کا کاروبار کرنے والے دوسرے ممالک پر زور دیتا رہا ہے کہ وہ ہتھیاروں کی تجارت پر کنٹرول کریں لیکن دوسری طرف خلیجی ریاستوں اور سعودی عرب کو بھاری مقدار میں اسلحہ خریدنے پر مجبور کرتا رہا ہے خواہ انہیں یہ اسلحہ نہیں بھی چاہئے تھا۔

پاکستان کو رام کرنے کی اس سے پہلے بھی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ بھٹو اور ضیاء کو تو حکم عدولی' کی سزا بھی مل گئی۔ لیکن بھارت کو کارٹر انتظامیہ نے چالیس ہزار ٹن خام یورینیم سے نواز کر "ہندو بم" کی تیاری آسان کر دی۔ امریکہ میں اور دوسری جگہوں پر صیہونی حلقے پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کو سائنس اور ٹیکنالوجی میں اس لئے پس ماندہ رکھنے پر تلے ہوئے ہیں کہ کہیں یہ ممالک اپنے دفاع کے قابل نہ ہو جائیں۔ یہاں تک کہ بعض مسلمان سائنسدانوں کو قتل بھی کیا جا چکا ہے۔

ایس پی احمد۔ ہوسٹن ٹیکساس

نبی اکرم کی اصل جلالت قدر اور عظمت شان کو کوئی نہیں جان سکتا، مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ
"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"
ہمارے لیے اصل قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ:
کیا ہم آپ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں، یا نہیں؟
اس لیے کہ اسی پر ہماری نجات کا دار و مدار ہے۔
اس اہم موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
ہمارے تعلق کی بنیادیں
کا خود بھی مطالعہ کیجئے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجئے
ہدیہ فی نسخہ: تین روپے۔ تبلیغی مقصد کے لیے یک صد نسخوں پر ۳۳ فی صد کمیشن دیا جائے گا

تنظیم الاخوان کا پہلا سالانہ اجتماع

نثار احمد ملک

انتخابی سیاست سے یہ بھی بیزار ہیں

دو طرفہ تصادم اس دور میں انقلاب برپا کر سکے گا؟

تنظیم الاخوان کا پہلا ملک گیر اجتماع ۹ جون ۹۴ء کو دار الفرقان میں بمقام منارہ منعقد ہوا۔ منارہ ضلع چکوال کے علاقہ ونہار کا ایک گاؤں ہے۔ یہ گاؤں چکوال سے سرگودھا روڈ پر کوئی چالیس کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ پہاڑوں سے بل کھاتی ہوئی سڑک وادی کلر کہار کے خوبصورت مناظر سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیتی ہوئی تقریباً ایک گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد منارہ پہنچ جاتی ہے۔ ضلع چکوال کا تقریباً پورا علاقہ ہی "مارشل علاقہ" کہلاتا ہے لیکن ونہار کا علاقہ اس حوالے سے بھی ممتاز ہے۔

تنظیم الاخوان حال ہی میں ابھرنے والی ایک دینی تحریک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اپنے دین کی حفاظت اپنے بندوں سے ہی کراتا ہے باوجود اس کے کہ وہ خود اس پر قادر ہے۔ انسانوں کے دلوں میں دین کے غلبے اور سربلندی کی تڑپ کا پیدا ہو جانا اسی کی توفیق کا رہین منت ہے۔ تنظیم الاخوان جو درحقیقت ایک سلسلہ تصوف سے وابستہ لوگوں کی تحریک ہے جو ملک میں "سلسلہ اویسیہ" کے نام سے معروف و مشہور ہے۔ اس سلسلہ تصوف کے مرشد اول مولانا اللہ یار خان مرحوم تھے اور موجودہ شیخ مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ ہیں۔ اس سلسلہ کا صدر مقام یا بڑی خانقاہ منارہ میں "دار العرفان" کے نام سے موجود ہے۔

تنظیم الاخوان اگرچہ ایک نئی تحریک ہے لیکن اس کی اٹھان جس حلقہ سے ہے' وہ چونکہ نیا نہیں اس لئے اس کے وابستگان کی اچھی خاصی تعداد ملک بھر میں موجود ہے۔ یہ تعداد نہ صرف عام لوگوں میں معتدبہ ہے بلکہ افواج پاکستان میں بھی اس سلسلہ سے وابستہ لوگ خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ افواج پاکستان میں اس سلسلہ تصوف سے وابستہ لوگ نہ صرف نیچے درجے سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز ہے۔

اس تحریک کا یہ پس منظر بتانا اس لئے ضروری تھا کہ اس کی عددی اہمیت کا بھی کچھ اندازہ ہو سکے۔

تنظیم الاخوان کے پہلے ملک گیر اجتماع میں راقم کو بھی حاضر ہونے کا موقع ملا۔ ظاہر بات ہے کہ ہر وہ شخص جو راہ انقلاب کا راہی و مسافر ہے' اسے اپنے ارد گرد چلنے والے دوسرے قافلوں کو بھی دیکھنا چاہئے تاکہ اپنے لئے اختیار کردہ راہ کے لئے کہیں اور سے روشنی کی کوئی کرن میسر آتی ہو تو اس سے اپنے راستے کو بھی منور کیا جا سکے۔ تنظیم الاخوان نے ملک گیر سطح پر بہت تھوڑے وقت میں ایک بہت ہی بابرکت پیغام کو عام کیا ہے۔ وہ بابرکت پیغام "رب کی دھرتی' رب کا نظام" ہے۔ اس انقلابی نعرے نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم تنظیم الاخوان کے بزرگوں کی زبانی اس پیغام کی تفصیلات خود سنیں اور اگر اس پیغام میں اتنی قوت اور اصابت پائیں تو اپنے بزرگوں کو بھی اس طرف متوجہ کر سکیں۔ اللہ کے دین کے لئے کام کرنے والوں کو منزل سر کرنے کے لئے بہرحال ایک دوسرے کے قریب آنا ہو گا۔

تنظیم الاخوان کے اجتماع میں شرکت کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تنظیم اسلامی اور تنظیم الاخوان کے بہت سے نکات مشترکہ ہیں۔ ایک سب سے حوصلہ افزا بات جو تنظیم الاخوان نے ایک اصول کے طور پر اختیار کی ہے وہ انتخابی سیاست سے اپنی تحریک کو دور رکھنا ہے۔ تنظیم کے بزرگوں نے یہ بات بڑے پرزور انداز میں کہی ہے کہ ہم جمہوری انتخابی سیاست کے قریب میں کبھی نہیں آئیں گے۔ نفاذ اسلام کے لئے انہوں نے کہا کہ ہم اتنی طاقت بہم پہنچائیں گے کہ حکومت اس پر مجبور ہو جائے۔ یہ وہ بات ہے جو سالہا سال سے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کہتے چلے آ رہے ہیں۔ آج اگر کوئی دوسرا حلقہ بھی یہ بات کہتا ہے تو بہت ہی خوش آئند ہے۔ اس رجحان سے یہ توقع بھی کی جا سکتی ہے کہ ہماری وہ دینی سیاسی جماعتیں بھی اپنے طریق کار پر غور کرنے پر آمادہ ہو جائیں گی جو انتخابی سیاست کی گندگیوں سے لت پت ہو کر اسلامی انقلاب کا خواب شرمندۂ تعبیر کرنا چاہتی ہیں۔

تنظیم الاخوان اور تنظیم اسلامی کے درمیان یہ دو نکات تو بہت ہی زیادہ مماثل ہیں۔ ایک انتخابی سیاست کی غلاظتوں سے دور رہنا اور دوسرے اتنی طاقت فراہم کرنا کہ حکومت کو نظام اسلامی کے نفاذ پر مجبور کر دیا جائے لیکن اس مماثلت کے باوجود میں نے تنظیم الاخوان کے زعماء کی تقاریر میں بہت سا خلاء محسوس کیا ہے۔

تنظیم الاخوان کے زعماء کی تقاریر سے یہ بات تو واضح ہوئی کہ تبدیلی قوت کے فراہم ہونے سے آئے گی لیکن یہ تبدیلی کن کن مراحل سے گزر کر آئے گی' واضح نہ تھا۔ اس بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انقلابی عمل کا منہاج واضح ہو کر سامنے نہ آ سکا۔ پاکستان کے معروف سکالر ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک صاحب نے ابتدائی تین مراحل پر انتہائی مختصر گفتگو کی۔ پہلے یہ کہ خود اللہ کا بندہ بنے' دوسرے یہ کہ اس کی دعوت دے اور اپنے دائرہ کار میں اس کا نفاذ کرے' تیسرے یہ کہ اس نظام کے لئے کوشش کرے۔ اس کو آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک بندۂ مومن کے فرائض ہیں' انہیں انقلابی مراحل نہیں کہا جا سکتا۔

تنظیم الاخوان کے زعماء نے جہاد فی سبیل اللہ پر زور دیا۔ اس جہاد فی سبیل اللہ کی آخری منزل قتال فی سبیل اللہ کی باتیں بھی جذباتی انداز میں سامنے آئیں۔ لیکن یہاں بھی خلا موجود رہا کہ ایک مسلمان معاشرے میں یہ مرحلہ کب آئے گا اور اس کی صورت کیا ہو گی؟ مولانا محمد اکرم اعوان صاحب نے اپنی تقریر کے دوران کسی قدر جذباتی انداز میں یہ تک کہہ دیا کہ حکومت کو ہماری بندوق کی گولی کھانی پڑے گی۔ اس طرح کی تقاریر سے مجمع پر ایک جذباتی کیفیت تو طاری کی جا سکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی باتیں فکری نکھار سے خالی ہوتی ہیں۔ یہ بات میں نے شدت سے محسوس کی کہ تقاریر میں فکری نکھار کی کمی اور سنجیدگی پر جذبات کا غلبہ رہا ہے۔ یہ بات بہت ہی اہمیت کی حامل ہے کہ ایک انقلابی تحریک کے سامنے انقلابی عمل کے مختلف مراحل واضح ہونے

چاہئیں۔ اس لئے کہ اگر جذباتی اپیل کی بنیاد پر لوگوں کی ایک بھیڑ جمع ہو جانے سے غیر حکیمانہ انداز میں کوئی قدم اٹھانے کی تحریک ہو جائے تو دینی کام کرنے والے تمام عناصر کو ناقابل تلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں نے یہ بات شدت سے محسوس کی ہے کہ مولانا اکرم اعوان' امیر تنظیم الاخوان شائد دو طرفہ تصادم بلکہ مسلح تصادم کے قائل ہیں۔ اگر میرا اندیشہ صحیح ہے تو یہ بہت بڑی فکری غلطی ہوگی۔ راقم نے محسوس کیا ہے کہ مولانا اکرم اعوان صاحب کوئی عسکری تنظیم بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تنظیم الاخوان کے بارے میں ابھی ہماری معلومات ابتدائی درجے کی ہیں تاہم ہم اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں کہ بروقت اس غلطی پر انہیں متنبہ کر دیں۔

ہمارے ہاں اس طرح کے تماشے پہلے بھی ہوتے رہے ہیں۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو انتخابی سیاست کے چنگل سے ہی آزاد نہیں ہو پاتے۔ گویا وہ اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو چکے ہیں۔ جبکہ کچھ لوگ جب انقلاب کی باتیں شروع کرتے ہیں تو چھاپہ مار کارروائیوں اور مسلح تصادم تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ دوسری بات پہلی سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ یہ ذکر کی حدت' جذبات کی شدت اور تعداد کی کثرت بھی فکری ناپختگی کے باعث کسی کام نہ آئے گی۔

تنظیم الاخوان کے اکابرین کی گفتگو میں ایک یہ خلا بھی محسوس ہوا کہ اس تنظیم کا تنظیمی ڈھانچہ واضح نہیں۔ ایک شخص اگر تنظیم الاخوان میں شامل ہونا چاہئے تو کیا اسے بیعت کرنی ہوگی؟ کیا یہ بیعت 'بیعت ارشاد سے ہٹ کر ہوگی یا بیعت جہاد اور بیعت ارشاد جمع ہوں گی؟ کیا صرف ایک فارم پر کر کے داخلہ ممکن ہو گا؟ شامل ہونے والے رفقاء کے لئے تربیت کا نظام کیا ہو گا؟ نیز ان کی ذمہ داریاں کیا ہوں گی؟ یہ تمام باتیں واضح ہو کر سامنے نہیں آئیں۔

ڈاکٹر غلام مرتضٰی ملک صاحب نے اپنی گفتگو کے دوران جہالت کے خلاف جہاد کے ذریعے انقلاب لانے کی بات پر زور دیا۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ ہمارے یہاں شرح خواندگی بہت کم ہے نیز ایک انتہائی باطل نظام تعلیم ہم پر مسلط ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی باتوں سے ہمیں بھی اتفاق ہے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارا ملکی نظام تعلیم بھی اسی باطل نظام کا ایک حصہ ہے جو ملک میں جاری و ساری ہے۔ ہم اپنے طور پر ملک بھر میں تعلیمی اداروں کا جال بچھانے سے بھی بالائی نظام میں اصلاح نہیں کر سکتے۔ ہم ان تعلیمی اداروں کے ذریعے یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ ایسے لوگ تیار کریں جو عصر حاضر کے تقاضوں سے آگاہ ہوں نیز اسلامی نظام حیات کو عہد حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔ مزید یہ کہ وہ نظام باطل کے خلاف مختلف محاذوں پر نبرد آزما ہو کر اس کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا عزم لے کر نکلیں لیکن اس کے برعکس اگر یہ تصور کریں کہ ان اداروں سے پڑھ کر نکلنے والے لوگ اس باطل نظام کا حصہ بن کر بھی اس میں اصلاح کر لیں گے اور تبدیلی رونما ہو جائے گی تو یہ غلط ہے۔ اس باطل نظام کو بہرحال توڑنا ہو گا اور یہ کام ایک انقلابی جدوجہد سے ہی ممکن ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ پڑھے لکھے نوجوانوں اور اپنے اداروں سے فارغ ہونے والے لوگوں کو اسلام کے اجتماعی نظام کا تصور دیا جائے۔ اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہو گا کہ ہمارے ہاں موجود دینی اداروں سے ہر سال ہزاروں علماء سند فراغت حاصل کر کے اس معاشرے کا حصہ بنتے ہیں۔ لیکن ان کی اتنی بڑی تعداد کے باوجود معاشرے پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا تصور دین انتہائی محدود ہے۔ انہیں اسلام کے اجتماعی تصور اور اس کے عملی نفاذ کا شعور ہی حاصل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جامد مذہبیت کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس تصور کو واضح کرنے کی ہے۔ محض اداروں کے قیام سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

تنظیم الاخوان کے اکابرین نے برطانوی نظام کو' جو ہمارے ملک میں رائج ہے' ساری خرابیوں کی جڑ قرار دیا ہے۔ انہوں نے انگریز کے نظام کو کلی طور پر بحیرۂ عرب میں غرق کرنے کی جوشیلی باتیں بھی کیں۔ ان حضرات کی گفتگو سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ انگریز کی طرف منسوب ہر چیز کو ہی برا سمجھتے ہیں۔ انگریز کے نظام کے باطل اجزاء کے ہم بھی اسی شدت سے مخالف ہیں لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ جس طرح ہم اس کی سائنسی ترقی سے استفادہ کرتے ہیں اسی طرح عمرانی ترقی سے بھی کرنا چاہئے۔ عصر حاضر کا تقاضا یہ ہے کہ عمرانی ارتقاء کے نتیجے میں وجود میں آنے والے ہر ادارے اور نظریئے کو اپنانا چاہئے جو قرآن و سنت سے متصادم نہ ہو۔ اس بات کو زیادہ صحیح انداز میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہر وہ چیز جو اسلامی نظام سے ہم آہنگی اختیار کر سکتی ہے اسے لے لینا چاہئے۔ تنظیم الاخوان کے زعماء کے ذہن میں جدید اسلامی ریاست کا تصور واضح نہیں ہے۔ وہ انتخابی سیاست کی مخالفت کرتے کرتے ہر اچھی چیز کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ آج یہ باتیں طے کرنی ہوں گی کہ قانون سازی کیسے ہو گی' اجتہاد کا حق کسے حاصل ہو گا' خلیفہ کا انتخاب کیسے ہو گا' قانون ساز اداروں کو کون چنے گا' ووٹ کا حق کسے حاصل ہو گا؟۔ ظاہر ہے ان تمام باتوں کو طے کرنے کے لئے موجودہ عمرانی افکار سے استفادہ کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ اسلام ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

تنظیم اسلامی پاکستان نے اسلامی انقلاب کے مراحل کو سیرت النبی سے اخذ کیا ہے۔ ہم تنظیم الاخوان کے اکابرین سے یہ عرض کرنے کی جسارت ضرور کریں گے وہ ان مراحل کا تنقیدی نظر سے سہی' مطالعہ ضرور کریں۔ اگر یہ مراحل عقل و منطق اور دلائل و براہین کی کسوٹی پر پورے نہ اترتے ہوں تو بے شک ان کو اپنے دلائل قاطعہ کی بنیاد پر رد کر دیجئے لیکن اگر قلب و ذہن اور فکر و نظر قبول کریں تو حکمت کسی کی جاگیر تو نہیں ہے! ہمارے سامنے جو علوم و فنون کے انبار لگے ہوئے ہیں تو یہ چراغ سے چراغ جلنے کا نتیجہ ہے۔ آج بھی ہمیں دل و دماغ کو وسعت دے کر اپنے ارد گرد موجود دینی و تحریکی حلقوں کا مطالعہ و مشاہدہ جاری رکھنا چاہئے۔

آخر میں عرض کروں گا کہ تنظیم اسلامی پاکستان اور تنظیم الاخوان کے زعماء کو ضرور مل بیٹھ کر تبادلہ خیالات کرنا چاہئے۔ اس طرح ممکن ہے مقصد و منزل کے اشتراک کے ساتھ طریق کار اور منہج پر بھی اتفاق ہو جائے۔ تنظیم الاخوان کے وابستگان سے یہ بھی عرض کروں گا کہ وہ دوسری تحریکوں کے افکار و نظریات سے آگاہی حاصل کریں۔ یہ بات اس لئے ضروری ہے کہ ایک انقلابی جماعت کے ارکان کو اپنے گرد و پیش کا ادراک ہونا چاہئے۔ وہ جس ماحول میں کام کر رہے ہیں' وہاں کچھ لوگ وہی دعوت فکر لے کر پہلے سے چل رہے ہیں' آخر ان سے انہیں کیا اختلاف ہے کہ الگ پلیٹ فارم بنانے کی ضرورت محسوس کی ہے؟ تنظیم اسلامی پاکستان کے رفقاء کی تربیت اسی نہج پر کی جاتی ہے کہ وہ دوسری جماعتوں سے بدکنے کی بجائے ان کا گہرا مشاہدہ کریں۔ اس مشاہدے کے بعد اگر تنظیم اسلامی کی فکر سے وابستہ رہنا ہے تو "علی وجہ البصیرت" رہیں' اندھے بہرے مقلد بن کر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی محنتوں کو ثمر آور فرمائے اور ہمارے سینوں کو بغض و کدورت سے پاک و مطہر کر دے' آمین۔ OO

پاکستان کی بقا کے دشمن خفیہ ہاتھ

سلطان احمد داؤدی

نصف صدی انہی کی کارستانیوں کی داستان ہے

ایک ثقہ اخبار کی تلقین ہے کہ ابھی مایوسی کی کوئی بات نہیں

۱۹۴۸ء میں جماعت اسلامی کے ملتان میں ہونے والے اجتماع کے موقع پر امیر جماعت اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اجتماع کے شرکاء کے سوالات کے جوابات دینے کی خاطر ظہر کی نماز سے قبل ایک خصوصی نشست رکھی تھی۔ راقم الحروف نے جو حنذکرہ اجتماع میں بطور مبصر شریک تھا' مولانا سے یہ استفسار کرنے کی جسارت کی کہ حضرت! آزادی ہمیں دی گئی ہے یا ہم نے حاصل کی ہے تو موصوف نے فرمایا "ظاہر ہے دی گئی ہے"۔ بندہ نے ان کے اس جواب پر گذارش کی کہ محترم! اگر آپ کے حسب فرمان ایسا ہی ہے تو جس قوت نے ہمیں آزادی دی ہے اس کے پیش نظر کچھ اپنے مقاصد بھی ہوں گے۔ مولانا موصوف نے فرمایا یقیناً ہوں گے تو راقم نے بات کو بڑھاتے ہوئے کہا کہ مولانا آزادی دینے والی قوت تو اس نظریہ کی تشہیر خصوصیت سے کر رہی ہے کہ جرم کرنے والے فرد کو نہیں بلکہ جرم کے اسباب و محرکات کو ختم کرنا چاہئے تو ایسی صورت میں جبکہ جماعت اسلامی' اسلامی نظام قائم کرنے کا عزم رکھتی ہے' وہ سنگین جرائم کے مرتکبین کے قطع ید اور سر قلم کرنے کی سزا کو عملی جامہ کیونکر پہنا سکے گی' مولانا نے فرمایا کہ کوئی بھی بیرونی طاقت ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کی مجاز نہ ہو سکے گی۔

اپنا اپنا انداز فکر ہوتا ہے۔ چھالیس برس پیشتر سید ابوالاعلیٰ مودودی جو اسلامی نظام کے داعی تھے' ان سے اسلامی حکومت قائم ہونے کی صورت میں قطع ید اور سر قلم کرنے کی سزا کے بارے میں بیرونی مداخلت کے خدشہ کے پیش نظر جو استفسار کیا گیا تھا وہ اتنا درست ثابت ہوا ہے کہ قطع ید و سر قلم کرنے کی بات تو اپنی جگہ رہی آج ایک طرف اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کا منشور اقوام عالم پر لاگو ہے اور دوسری طرف ہمارے اندرونی معاملات میں بیرونی مداخلت کا یہ عالم ہے کہ پانی' بجلی' سوئی گیس' ٹرانسپورٹ' بینکنگ' صحت' صحافت' مذہب' سائنس و ٹیکنالوجی' دفاع' پٹرولیم' مالیات' خارجہ پالیسی' تعزیرات' آبپاشی' تعلیم' الیکٹرانک میڈیا' ذرائع ابلاغ اور اشیائے خورد و نوش غرضیکہ ہر شعبہ زندگی سے متعلق امور میں خفیہ و اعلانیہ بیرونی مداخلت محکمانہ انداز میں ہو رہی ہے۔ بیرونی قوت اور اس کے خفیہ ہاتھوں کا کمال ہے کہ مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کی بصیرت افروز قیادت میں پاکستان جو ۱۹۴۷ء میں دنیا کے نقشہ پر ابھرا' قریباً ربع صدی گزرنے کے بعد بیرونی قوت کے اشارہ پر انہوں نے اس کے ایک بازو مشرقی پاکستان کو علیحدہ کر دیا اور وہ بنگلہ دیش بن گیا۔ اب پھر جبکہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو ربع صدی ہونے والی ہے باقی ماندہ پاکستان کا حلیہ بگاڑنے کے لئے خفیہ ہاتھ پوری طرح حرکت میں ہیں۔

روس ایسی سپر طاقت جو نظریاتی لحاظ سے سالہا سال اتحادیوں کے مدمقابل رہی' خفیہ ہاتھوں نے اس کے حالات بگاڑ کر اسے دوسری سپر طاقت امریکہ کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے' اسی طرح خفیہ ہاتھ اس کوشش میں ہیں کہ پاکستان کے حالات کو ہر لحاظ سے اتنا خراب کر دیا جائے کہ وہ خود پکار اٹھے کہ پاکستان بھارت کی ہاں میں ہاں ملائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

پاکستان کو معرض وجود میں آئے ہوئے نصف صدی ہونے کو آئی ہے۔ اس عرصہ کے دوران پاکستان نے اقلیتوں مثلاً ہندوؤں' سکھوں' عیسائیوں' یہودیوں اور دیگر مذاہب کے پیروکار افراد سے روادارانہ برتاؤ روا رکھنے اور بھائی چارہ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور ان کا معیار زندگی بلند ہوتا دیکھ کر مسلمان خوشی کا اظہار برابر کرتے رہے لیکن اب نیو ورلڈ آرڈر کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوشاں خفیہ ہاتھ ہیں جنہوں نے اس ملک میں جہاں مسیحی اور مسلمان قبل ازیں بڑے پیار و محبت سے زندگی بسر کر رہے تھے' ان میں ایک دوسرے کو قتل کرانے کی وارداتوں سے نزاع پیدا کر دیا بلکہ فرقہ واریت کی بنا پر خود مسلمانوں کو بھی آپس میں ایک دوسرے کا خون بہانے کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ پاکستان کے صوبہ سندھ' سرحد' بلوچستان اور پنجاب کے حالات بگاڑنے کے لئے بھی خفیہ ہاتھ بڑی شد و مد سے کوشاں ہیں۔ سندھ میں پیدا کی گئی علاقائی' صوبائی' نسلی' لسانی' سیاسی' جماعتی' گروہی اور فرقہ وارانہ عصبیت کے تحت جذبات کو جس طرح بھڑکایا جا چکا ہے اس سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ وہاں بھی خفیہ ہاتھ مشرقی پاکستان کی طرح "انٹر پرائیز" ایسے کسی بحری بیڑے کو سمندر میں لا کر اپنے مجوزہ منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے والا کوئی گل ضرور کھلا کر رہیں گے۔

خفیہ ہاتھوں کے عزائم اور سرگرمیوں کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ آئندہ علاقے میں ہونے والے رد و بدل کا اشارہ دینے کی خاطر پاکستان کے صوبہ پنجاب کی جداگانہ حیثیت کے منافی عظیم تر پنجاب سے متعلق اشتہار کسی سازش کے تحت ایسے اخبار میں شائع کرا کے حالات کو بگاڑنے کی کوشش کی گئی جس کے بارے میں کبھی یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ نظریہ پاکستان' پاکستان کے استحکام یا اس کی سالمیت کے منافی کوئی کام کر سکتا ہے۔ خفیہ ہاتھوں کے سرگرم عمل ہونے کا نتیجہ ہے کہ اب دہلی (بھارت) میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں اور تقریبات میں اس نوعیت کی خیال آرائی بلا جھجک ہونے لگی ہے کہ برصغیر کی تقسیم ایک عظیم غلطی اور احمقانہ اقدام تھا۔ اسی طرح

بھارت سے پاکستان آمدہ لطیفی ایسے دانشور بھی اسی قسم کی گوہر افشانی کرنے لگے ہیں۔ خفیہ ہاتھوں کے ایماء پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بھارت اور پاکستان کا دفاع مشترکہ ہو اور ان دونوں کی فوجوں کی تعداد میں خاطر خواہ کمی ہونی چاہئے۔

پاکستان کے حالات بگاڑنے کے درپے خفیہ ہاتھوں کی تکنیک کتنی کارگر ہے کہ لوڈ شیڈنگ تو برسوں سے پاکستانیوں کے لئے وبال جان بنی ہوئی ہے' اب تربیلا ڈیم کا پانی ختم ہو جانے اور گرما میں بجلی سے محرومی کی خبریں دی جا رہی ہیں۔ کوآپریٹو سوسائٹیوں اور بینکوں کے سکینڈلوں کے راز فاش کرنے کے علاوہ اصحاب ثروت اور وڈیروں کے ذمہ کروڑوں اربوں کے قرضے معاف کر دینے کی خبروں سے عوام الناس کے ذہنی تشکک اور اضطراب کو بڑھایا جا رہا ہے۔ کپاس' روئی' اشیائے صرف اور خوردنی اجناس پر مقتدرین کی اجارہ داری کی خبریں دی جا رہی ہیں۔ نادہندگان کی سرکشی کو زیر بحث لایا جا رہا ہے۔ پاکسان کو پانچ ریاستوں کی صورت دینے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ خفیہ ہاتھوں کے اشارہ پر سرائیکی صوبے بنانے کا راگ الاپا جا رہا ہے۔ خفیہ ہاتھ کتنے مستعد ہیں کہ ٹیکسائلز اور پاور لومز کے متعلق مزدوروں اور کاریگروں کو کاروباری بحران پیدا کر کے سڑکوں پر لانے کے منصوبہ کے تحت حالات کو بگاڑنے کی صورت پیدا کر دی گئی ہے۔ کم آمدنی والے لوگوں کو ناقابل برداشت گرانی سے دوچار کر دیا گیا ہے۔ فوج' پولیس' علماء' افسران' مل مالکان' صنعت کار' تاجر' زمیندار' صحافی' سیاست دان' وکلاء' مزدور اور طلباء جو معاشرے کے سرفہرست عناصر ہیں ان سب کے بارے میں ناگفتنی رائے زنی کا رجحان پیدا کر دیا گیا ہے۔ عدالتی فیصلوں کی تضحیک کی راہ کھول دی گئی ہے۔ خفیہ ہاتھوں کی کوششوں کی وجہ سے پاکستان کو دہشت گرد قرار دینے کی دھمکیوں سے اسے کشمیریوں کی امداد اور ان کی ترجمانی سے باز رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ افغانستان میں خانہ جنگی کرانے کی صورت میں پاکستان کے لئے مشکلات پیدا کر دی گئی ہیں۔ پاکستان میں بھارت کی دہشت گرد تنظیم را اور موساد کے ایجنٹوں کے ذریعہ قتل کی وارداتیں بموں کے دھماکے اور تخریبی کارروائیاں کرانے کی صورت میں ہر جگہ خوف و ہراس پیدا کر دیا ہے۔ خفیہ ہاتھوں کا کارنامہ ہے کہ ایک طرف وزیر اعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو سے ماضی میں سکھوں کو کچلنے کا تذکرہ کرا کر ان کی بھارت نوازی کی تشہیر کرا دی اور دوسری طرف جنیوا میں مسئلہ کشمیر سے متعلق قرارداد واپس کرا کے پاکستانیوں میں احساس کمتری و بے مائیگی پیدا کر دیا گیا۔ پاکستان کو بنیاد پرست ٹھہرانے کی صورت میں طعنہ آرائی سے نئی پود کو مذہبی اقدار کے بارے میں برگشتہ کرنے کی مہم شروع کر دی گئی ہے۔ سیاسی گل کاریوں کے ضمن میں افواج پاکستان کا تذکرہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور کیا جاتا ہے۔ خفیہ ہاتھوں کی مساعی کے نتیجہ میں پرائمری کلاسوں میں انگریزی کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ سنگ میل اب کلومیٹر ہو گیا ہے۔ گز کی جگہ میٹر نے لے لی ہے۔ ناپ تول کے پیمانے بدل دیئے گئے ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا بالخصوص ٹیلی ویژن کے ذریعہ مغربی اقدار کو اپنانے اور ان کے مطابق بود و باش اختیار کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ کسی مخفی قوت کے ایماء پر اب ملکی سطح پر سال میں دو بار گھڑیوں کا ٹائم آگے پیچھے کرنا ہو گا۔ گوشت کی قلت دور کرنے کے لئے سالہا سال سے ہفتہ کے دو دن منگل و بدھ کا ناغہ مقرر تھا اس کے باوجود گوشت کا نرخ فی کلو سو روپیہ تک پہنچ گیا' اب ہفتہ میں صرف ایک دن پیر کا ناغہ ہوا کرے گا۔ نتیجہ کیا ہو گا' ظاہر ہے۔ پاکستان اربوں کھربوں روپیہ کے قرض سے زیربار ہے' ہونا تو یہ چاہئے کہ سادگی اور کفایت شعاری کو مقدم ٹھہرا کر اور اوقات کار کو بڑھا کر پوری محنت و جانفشانی سے ملکی پیداوار میں اضافہ کر کے زیادہ سے زیادہ زرمبادلہ کما کر ملک کو خود کفیل بنایا جائے لیکن اس کے برعکس نہ جانے کس مصلحت کے تحت ہفتہ میں دو چھٹیوں کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

مساجد اور امام بارگاہوں میں بم گرانے اور فرقہ وارانہ بنیاد پر قتل کی وارداتوں سے خوف و ہراس پیدا کر کے جداگانہ قومی تشخص اور نظریہ پاکستان سے متنفر کیا جا رہا ہے۔ پارچات' ملبوسات اور جوتوں پر مسلمان اکابر و شخصیات کے اسمائے گرامی اور کلمہ طیبہ پرنٹ کرا کے اشتعال دلایا جا رہا ہے۔ سیاسی' جماعتی و گروہی منافرت کی بنا پر رسہ کشی اور محاذ آرائی کو پاکستان کا مقدر بنا دیا گیا ہے۔ کالا باغ ڈیم جس کا پاکستان کی بقا کے لئے بنایا جانا ضروری ہے۔ اس کی تعمیر کے بارے میں بات کرنے پر دھمکیاں دی جانے لگی ہیں۔ کلرکوں کو اپنے مطالبات منوانے کے لئے سڑکوں پر آنے کے لئے مجبور کر دیا گیا ہے۔ خفیہ ہاتھ روس کے ذریعہ پاکستان کو دھمکیاں دلوا کر اسے بھارت پر کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کشمیر کے مسئلہ پر بھارت کو اکسا کر اس سے کسی وقت بھی حملہ کرایا جا سکتا ہے۔ لسانی تنظیم ایم کیو ایم کو مطلب براری کے لئے شیشے میں اتارنے اور اس سے پاکستان کی سالمیت کو ضرب لگوانے کی سعی ہو رہی ہے۔ پانی کی تقسیم کے معاملہ میں صوبائی عصبیت کو ہوا دلائی جا رہی ہے۔ سندھی' پنجابی' پٹھان' بلوچی اور مہاجر و غیر مہاجر کا فتنہ کھڑا کر دیا گیا ہے۔ قادیانی جو غیر مسلم قرار دیئے جا چکے ہیں انہیں منتقمانہ کارروائیوں کے لئے سرگرم عمل کر دیا گیا ہے۔ موٹروے کے منصوبہ میں تعطل پیدا کر کے ترکی اور پاکستان کے برادرانہ تعلقات کو کشیدہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مسلم لیگ' پیپلز پارٹی اور جماعت اسلامی کو گروہوں اور دھڑوں میں منقسم کر دیا گیا ہے۔ غیر متعلقہ شخصیت جناب معین قریشی کی پاکستان کے امور میں مداخلت کو وطن عزیز کے لئے ضروری ٹھہرا دیا گیا ہے۔ ڈاکہ زنی' قتل و غارت اور اجتماعی زیادتی کو روز مرہ کا معمول بنا دیا گیا ہے۔ خفیہ ہاتھوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو حسب خواہش اپنے تابع کر کے وطن عزیز کو بے بس کر دیا ہے۔

مختصراً یہ کہ نیو ورلڈ آرڈر کے خالق اپنے خفیہ ہاتھوں کے ذریعہ مداخلت سے رفتہ رفتہ پاکستان میں ایسی کیفیت پیدا کر رہے ہیں کہ کسی دن پاکستان کے لیڈر یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ درپیش مشکلات اور مسائل کی بہتات کی وجہ سے پاکستان موجودہ صورت میں اپنے جداگانہ وجود کو برقرار نہیں رکھ سکتا اس لئے علیحدگی کے اقدام کو واپس لینا اور بھارت کے آگے گھٹنے ٹیکنا ضروری ہو گیا ہے۔ ویسے ملک کے ایک ثقہ اخبار کی تلقین ہے کہ ابھی مایوسی کی کوئی بات نہیں اس لئے سسٹم جاری رہنا چاہئے۔ ○○

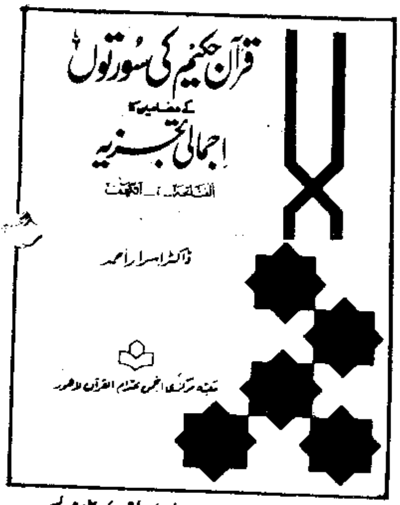

اشاعت خاص -/۴۰ روپے' عام -/۲۰ روپے

(مولانا) حضرت گل

دولت اور وسائل پیداوار کا ارتکاز نہ ہوگا

مدارجِ معیشت کی نہیں، حقِ معیشت کی مساوات ضرور ہوگی

مولانا حضرت گل صوابی (صوبہ سرحد) میں مقیم اور مرکزی خلافت کمیٹی کے اپنی علاقائی کمیٹی کی طرف سے منتخب رکن ہیں۔ مولانا نے نظام خلافت کی معیشت کے اصولوں کو قرآن حکیم کے آئینے میں دیکھا اور قارئین "ندائے خلافت" کے سامنے رکھا ہے۔ آپ بھی دیکھئے کہ مولانا کے زاویہ نگاہ سے قرآنی نظام معیشت کیسا نظر آتا ہے۔۔۔۔ مدیر

قرآن کریم ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبے کے لئے عملی ہدایات دیتا ہے۔ تاکہ ان کے مطابق انسان ایک نظام متشکل کرکے صحیح انسانی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکے۔ اس میں انسانی جسم کی پرورش کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جن اسباب و ذرائع پر انسان کی زندگی کا دار و مدار ہے۔ ان کو قرآن حکیم کی اصطلاح میں رزق کہا جاتا ہے۔ اور دور حاضر کی عملی اصطلاح میں علم معیشت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سورۃ النحل آیت ۱۱۲ میں ارشاد خداوندی ہے کہ امن و رزق انعامات خداوندی میں سے ہیں اور بھوک اور خوف خدا کا عذاب ہیں۔ سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۸ میں ارشاد خداوندی ہے کہ جنت میں نہ بھوک ہے نہ پیاس اور نہ مکان و لباس سے محرومی۔ سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۴ میں ارشاد خداوندی ہے جو شخص ہمارے قوانین سے اعراض کرے گا اس کی روزی تنگ ہو جائے گی۔ سورۃ المائدہ آیت ۶۶ میں ارشاد خداوندی ہے اگر یہود و نصاریٰ تورات اور انجیل کا اتباع کرتے تو ہم انہیں زمین و آسمان سے بکثرت کھانا عطا کرے۔ سورۃ الاعراف آیت ۹۶ میں ارشاد ہے کہ ان پر زمین اور آسمان کی برکات کے دروازے کھول دیئے۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۲۶ میں ارشاد ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ میں کھڑے ہو کر خدا سے جو پہلی دعا مانگی۔ اس میں کہا کہ اے میرے رب یہاں کے رہنے والوں کو امن اور رزق عطا فرما۔ سورۃ قریش آیت ۴ میں ارشاد ہے کہ اللہ نے مکے والوں کو رزق دیا ہے اور ہر خطرہ سے محفوظ رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے رزق کے مسئلہ کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ سورۃ ہود آیت ۶ میں ارشاد ہے زمین میں کوئی ذی حیات ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۱ میں ارشاد ہے کہ تمہارے اور تمہاری اولاد کے ذمہ دار ہم ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ وضاحت بھی کر دی کہ اس سے کہیں یہ نہ سمجھنا کہ ہم ہر انسان کو براہ راست رزق پہنچاتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی ذمہ داری انسانوں کے ہاتھوں سے پوری ہوتی ہے۔ سورۃ یٰس آیت ۴۷۔ جو انسانی نظام اس ذمہ داری کو پورا کرتا ہے اسے اسلامی مملکت کہا جاتا ہے۔

پہلی منزل

انفرادی زندگی میں مالدار لوگوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ محتاجوں کی روٹی کا مسئلہ حل کریں۔ سورۃ الحاقہ آیت ۳۵۔۳۴ سورۃ الدھر آیت ۱۰۸ میں مالداروں سے مطالبہ ہے کہ اگر تم نے محتاجوں کی روٹی کا انتظام نہ کیا تو تم پر جہنم کا عذاب مسلط ہو جائے گا پھر سورۃ الفجر آیت ۲۰۔۱۷ میں ارشاد ہے۔ جب ملک میں فساد برپا ہوگا اور تمہاری عزتیں خاک میں مل جائیں گی تو تم پوچھو گے کہ ایسا کیوں ہوا۔ جواب ملے گا۔ یہ اس لئے ہوا کہ تم یتیموں اور بے سہارا لوگوں کو عزت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ اور محتاجوں اور مسکینوں کی روٹی کا انتظام نہیں کرتے تھے۔ پھر سورۃ الدھر آیت ۹۔۸ میں ارشاد ہے کہ نیک لوگ محتاجوں، یتیموں اور اسیروں کی روٹی کا انتظام کرتے ہیں اور ستائش کی تمنا اور صلہ کی امید کے بغیر ایسا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہم صرف اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ سورۃ البلد آیت ۱۶۔۱۱ میں ارشاد ہے کہ کامیابی کے کام غلاموں کو آزاد کرنا، یتیموں اور مسکینوں کی روٹی کا انتظام کرنا ہے۔ سورۃ الماعون آیت ۳۔۱ میں ارشاد ہے کہ جو ایسا نہیں کرے گا وہ اپنے دعویٰ ایمان میں جھوٹا ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں اسے صدقہ کہتے ہیں۔ اس کی ابتدا تم اپنے اقارب سے کرو اور پھر اس کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے اپنے اور بیگانے کی تمیز سے بلند ہو کر ہر ضرورت مند کی ضروریات پوری کرنے کا انتظام کرو۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۱۵، سورۃ الروم آیت ۳۸ لیکن ایسا نہ ہو کہ جس محتاج کی کوئی ضرورت پوری کرنے کا انتظام کرو کہ وہ بیچارہ اس کے بوجھ تلے دبا رہے۔ نہ ہی اسے لوگوں کو دکھا دکھا کر اپنی تسکین کرو۔ اسے انسانیت کا فریضہ سمجھ کر ادا کرو۔ نفس تم سے یہ کہے گا کہ جب احسان بھی نہ منوائیں اور لوگوں کو دکھلاوہ بھی نہ کریں تو ہم خرچ کیوں کریں۔ تم نفس کو سمجھاؤ کہ یہ ضائع نہیں جائے گا۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے کسان بیج کے دانے مٹی میں ملا دیتا ہے تو وہ ضائع نہیں جاتے۔ ایک ایک دانے کے عوض سینکڑوں دانے اسے مل جاتے ہیں اور تم اس تباہی سے بچ جاؤ گے جو فساد کا فطری نتیجہ ہے۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۷۶۔۲۶۱، سورۃ ابراہیم آیت ۳۱ دوسروں کا پیسہ باطل طور پر مت کھاؤ سورۃ بقرہ آیت ۱۸۸، سورۃ النساء آیت ۲۹۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کرو۔ سورۃ النساء آیت ۶۔ ہر انسان اپنی کمائی کا مالک ہوگا۔ سورۃ النساء آیت ۳۲۔ لین دین تحریروں میں لایا کرو۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۸۲ تنگدست کو قرض کی ادائیگی کے لئے مہلت دو اور اس میں ادائیگی کی استطاعت نہ ہو تو اسے قرضہ معاف کر دو۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۸۰ ترکہ قرآن کریم کے احکام کے مطابق تقسیم کرو۔ سورۃ النساء آیت ۱۲۔۱۱۔۷ اگر تم نے محتاجوں کی ضروریات پورا نہ کیں تو معاشرہ میں ایسا فساد برپا ہو جائے گا جو تمہیں مقام ذلت کو پہنچائے گا۔

سوچ کی لہر

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی

احترامِ آدمیت کا پرچار ضروری ہو گیا ہے

معاشرے میں شہریوں کے حقوق پر ڈاکہ زنی

ہمارے معاشرے میں بے شمار مسائل اور خطرات ہیں جن سے عوام نبرد آزما ہوتے ہیں۔ خطرناک مشینری' فیکٹریوں میں زرد زرد چہروں والے مزدور' سڑکوں پر گرد گرد چہروں والے راہی' کانوں اور پہاڑوں میں کام کرنے والے مزدور اور کو کن اور دھواں خارج کرنے والی فیکٹریوں کی چمنیاں معاشرے میں بکھرے ہوئے خطرات اور حادثات کی عکاسی کرتی ہیں۔ اس مشینی دور نے احساس مروت کو ہی کچل کر رکھ دیا ہے۔

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

واپڈا کے خطرناک کھمبے جو انسانی زندگی کے لئے باعث خطرہ ہیں' کھلے ہوئے گٹر جو موت کے کنوئیں اور موت کے پھندے ہیں' بچوں کے لئے جگہ جگہ بکھرے ہوئے خطرات' ٹریفک کے مہلک حادثات' ٹوٹے پنجرے' مفلوج جسم' بکھری ہوئی لاشیں' خون میں لت پت جسم' نت پھٹتے ہوئے تیل کے ناقص چولہے اور جھلستی ہوئی خواتین' مخدوش اور پرانی عمارات' فضا میں معلق خطرناک لفٹ چیرز' ہتک عزت' عزت نفس کو مجروح کرنے والے بے شمار واقعات' فحاشی' لچر شاعری' کلچرل شو' ثقافتی یلغار اور مخرب اخلاق لٹریچر' اخبارات' ابلاغ عامہ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ تضحیک اور فحاشی کا امڈتا ہوا سیلاب' انسانی حقوق پر ڈاکے' قتل' ضربات کے مقدمات' زخم' جراحتیں' انسانی خون کی ارزانی' معاشرے میں ہر سو ظلم ہی ظلم' بے جرم ضیغی سزا مرگ مفاجات' دوسروں کی جائیدادوں پر ناجائز قبضے' غصب اور گورنمنٹ کی اراضی پر ناجائز قبضے'--- یہ ایسے واقعات ہیں جن سے حقوق الناس کی پامالی ہوتی ہے اور حکومت کی جڑیں بھی کھوکھلی ہوتی ہیں۔ اچھی قدریں بری طرح متاثر ہوتی ہیں۔ ڈاکٹروں میں انسانی ہمدردی کا فقدان جو مسیحا ہو کر مسیحائی نہیں کرتے۔

نہ مڑ کر بھی بے درد قاتل نے دیکھا
تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے

تجارتی حقوق پر حملے' جعلی اشیاء کی تیاری' دھوکہ دہی' جھوٹ' دغا' فریب کاری' ملاوٹ' حتیٰ کہ ادویات میں ملاوٹ اور اشیائے خورد و نوش میں ملاوٹ' معصوم انسانوں کو ناجائز طور پر پابند سلاسل کر دینا' یہ تھانے' یہ عقوبت خانے' انسانی درندگی کی بدترین مثالیں اور حقوق العباد کی پامالی' اسفل السافلین کی بدترین مثالیں' خواتین کی عزت و ناموس پر حملے' انسانوں میں ناجائز امتیاز جو انسانیت کے ماتھے پر بدنما داغ ہے' امانت میں خیانت کے واقعات' دھرتی کے اندر اور باہر بکھرے ہوئے دفینے اور قیمتی سکے' لوگوں کے سکون میں خلل ڈالنا اور پرائیویسی کے معاملات' عدالتوں میں دھکے کھانے والے سائل' بیورو کریسی سے بے زار عوام' جیلوں میں ناگفتہ بہ حالت میں رہنے والے قیدی' ٹیلی فون کے ذریعے لوگوں کو تنگ کرنے کے واقعات اور بے شمار واقعات ایسے ہیں جو حقوق الناس کے حقوق کے زمرے میں آتے ہیں۔

مذہب سے بیزار عورت حقوق نسواں کی باتیں کرتی ہے۔ وہ ماں بھی ہے' بیٹی بھی' بہن بھی اور رفیقہ حیات بھی۔ یہ عورت اپنے جھریوں والے چہروں پر ملے ہوئے غازے اور کپکپاتے سرخی لگے ہونٹوں سے اپنے حقوق کا چرچا کرتی ہے۔ عورت فیشن' فرینڈ شپ' ماڈرن ازم' لبرل تعلیم اسے مخلوط محفلوں میں دعوت گناہ بھی دیتی ہے۔ للچائے ہوئے دلوں پر اپنی چال اور جمال کے چرکے بھی لگاتی ہے۔

اسلام کا قانون نارث وہ قانون ہے جو حقوق العباد کی پاسبانی کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دور مبارک میں مظالم عدالتیں قائم فرمائی تھیں۔ آپؐ ان عدالتوں میں خود جلوہ افروز ہوتے اور حقوق العباد کے مقدمات سنتے اور فوراً فیصلہ فرما دیتے۔

پاکستان میں انسانی حقوق کی پامالی کے واقعات روز اخبارات میں چھپتے ہیں۔ ملاقات اور بے شمار واقعات جن کا میں نے ذکر کیا رونما ہوتے ہیں۔ موثر طریقے سے انہیں کنٹرول نہیں کیا جاتا۔ فحاشی کا سیلاب امڈ رہا

وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ پاکستان میں مظالم عدالتیں قائم ہوں لوگوں کو ان معاملات میں فوراً انصاف ملے --- وہ انصاف جو سالہا سال کی کاوشوں کے باوجود بھی نہیں ملتا۔ سستا اور سہل انصاف عوام کی اشد ضرورت ہے۔

حکومت ایسی عدالتوں کا نظام قائم کر کے معاشرہ میں امڈتے ہوئے خطرات کو دور کر سکتی ہے۔ شیر شاہ سوری نے ایک دفعہ حسین خان طشت دار کو بنگال سے ایک ضروری کام کے لئے بھیجا تھا۔ اس اہلکار نے چتوڑ سے گور تک کا فاصلہ جو ۸۰۰ میل کا تھا صرف تین روز میں طے کیا تھا حالانکہ کافی دشوار گزار راستے بھی اسے عبور کرنے پڑے۔ جب اس اہل کار کو نیند آ جاتی تو دیہات والے اسے چارپائی پر لٹا کر چارپائی اپنے کندھوں پر رکھ کر دوڑتے تاکہ وقت ضائع نہ ہو اور شیر شاہ سوری کے حکم کی جلد تعمیل ہو۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حکومت اپنے اہل کاروں کو مستعد بنا سکتی ہے بشرطیکہ نیت درست ہو اور مقصد عوام الناس کے حقوق کی پاسبانی ہو۔

عوام کے حقوق کی پاسبانی کے لئے حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں :

☆ محتسب کے ادارے کے ساتھ مظالم عدالتوں کو منسلک کیا جائے جو ہر ضلعی سطح پر ہوں۔ یہ عدالتیں حقوق العباد کی پاسبانی کریں۔ اس طرح پاکستان کی دیگر عدالتوں بشمول ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ پر مقدمات کا بوجھ کم ہو جائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائم شدہ ادارے (مظالم عدالت) کی بھی اس طرح اس دور میں تجدید ہو جائے گی۔

☆ برطانیہ' فرانس' جرمنی' امریکہ اور دنیا کے دیگر ممالک میں حقوق العباد کی پاسبانی عدالتی نظام کے ذریعہ فوراً ہو جاتی ہے۔ انصاف ان معاملات میں فوراً مل جاتا ہے۔ عدالتیں ان معاملات میں سائلوں اور مظلوموں کو معقول معاوضہ بھی دیتی ہیں۔ مثلاً اگر کسی سائل کو بلاوجہ فون نہ ملا تو اس صورت میں نہ صرف یہ نظام عدالت اسے فون کا کنکشن دلائے بلکہ ذمہ دار افسر جس نے بدنیتی کی بنیاد پر فون کا کنکشن نہ دیا تو سائل کو ذہنی کوفت اور وقت کے ضیاع کا خرچ بھی معاوضہ کی صورت میں ادا کرے۔

☆ نہ صرف حکومت کے ادارے بلکہ معاشرے کے وہ افراد جنہوں نے حقوق العباد کو پامال کیا تمام اس عدالت کے پابند ہوں۔ اس کے احکام پر

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

جنگ عظیم دوئم کا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

فوجی قیادت نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا

یہ یورپ کی سرزمین پر امریکی خون بہنے کا آخری موقع تھا

"ناکامی ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے" یہ الفاظ اتحادی کمانڈر جنرل آئزن ہاور کے تھے۔ ایک لاکھ پچپن ہزار فوج' پانچ ہزار سے اوپر بحری جہاز اور کشتیاں اور بارہ ہزار لڑاکا طیارے حملے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ رات کے وقت چھاتہ برداروں کو اتارنے کے لئے رات کی چاندنی اور ساحل پر فوج اتارنے کے لئے سمندر کا جزر میں ہونا ضروری تھا۔ ۵ / جون ایک طوفان کی نذر ہو گیا۔ موسمیات والوں نے ۶ / جون کا اشارہ دیا۔ "ٹھیک ہے' چلو!" آئزن ہاور نے حکم دیا۔

جرمن کمانڈر' فیلڈ مارشل اروِن رومیل تیار تھا کہ اتحادیوں کو کسی طرح بھی ساحل تک نہ پہنچنے دیا جائے۔ اس نے ساحل کو خندقوں' زمینی سرنگوں اور کئی طرح کی رکاوٹوں کے ذریعے ناقابل عبور بنا دیا تھا۔ اس کے باوجود جرمنوں کے لئے یہ حملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ ہٹلر کیلے پر جہاں رودبار انگلستان کم ترین چوڑائی میں ہے' حملے کی توقع کر رہا تھا۔ "نارمنڈی" پر حملہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا اور مزید کمک بھیجنے سے بھی اس نے انکار کر دیا۔ رومیل کا خیال تھا کہ حملہ اس وقت ہو گا' جب سمندر جوش میں ہو گا چنانچہ حملے کے وقت وہ جرمنی میں اپنی بیوی کی سالگرہ کی تقریب منا رہا تھا۔ حملے کے شروع میں امریکیوں کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ چھاتہ بردار ایک غیر متوقع دھند میں پھنس گئے۔ اتحادیوں کی بحری اور ہوائی بمباری جرمنوں کے دفاع میں شگاف ڈالنے میں ناکام ثابت ہوئی۔ فوجی دستوں کو ایک زبردست سمندری لہر نے ساحل پر اترنے سے پہلے پیچھے دھکیل کر غلط جگہ پر پہنچا دیا۔ چنانچہ آگے بڑھنے والے دستے جرمنوں کی فائرنگ کی زد میں آ کر آدھے سے زیادہ وہیں کھیت ہو رہے۔ دو ہزار سے زائد امریکی سپاہی کوئی ایک گولی چلائے بغیر پتھریلے ساحل پر بے جان پڑے تھے۔ امریکی فیلڈ کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل عمر بریڈلے نے بعد میں لکھا تھا کہ "اوماہا (Omaha) کا ساحل ایک ڈراؤنا خواب تھا" بعض امریکیوں نے سوچا کہ حملہ ناکام ہو گیا ہے۔ یہی خیال بعض جرمنوں کا بھی تھا۔ لیکن کچھ لوگ خود آگے بڑھے' نئی تدابیر اختیار کیں اور بالآخر نازیوں کی دفاعی لائین میں گھس کر ناکامی کو کامیابی میں بدل دیا۔

ہٹلر کا کہنا تھا کہ اس کی فوج آخری آدمی تک مقابلہ جاری رکھتی ہے۔ "چیر بورگ" (Cherbourg) میں جرمن فوج کے کمانڈر جنرل شلی بن (Schliben) نے اپنے فوجی دستوں کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ "یہاں سے ہٹنے کی سزا موت ہے" بعد میں جب امریکی توپوں نے خود اس کے مورچے کو نشانہ بنایا تو "شلی بن" کا فیصلہ تھا کہ اب ہتھیار ڈال دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

جنرل آئزن ہاور حملے کے بارے میں زیادہ پر امید نہیں تھے۔ اسے اپنے سپاہیوں کے ساتھ بڑا لگاؤ تھا۔ ۵ / جون ۱۹۴۴ء کو حملے سے قبل رات اس نے چھاتہ فوج کے دستوں کا معائنہ کیا جو اپنے اپنے طیاروں کے پاس جمع تھے۔ اس نے ایک ایک گروپ کے قریب جا کر ان سے باتیں کیں اور ان کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ ان میں سے اکثر کے لئے قریب الاختتام زندگی کے یہ آخری لمحات تھے۔ ایک چھاتہ بردار نے جنرل آئزن ہاور کے چہرے پر فکر مندی کے آثار دیکھ کر فوراً کہا "جنرل صاحب آپ فکر مند نہ ہوں۔ اب یہ کام ہم پر چھوڑ دیں" آئزن ہاور طیاروں کو اڑان لیتے دیکھتا رہا۔ جب وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے واپس کار کی طرف آ رہا تھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ اسے بھی اندازہ تھا اور اس کی فوج کو بھی کہ ان کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے اس تحریری حکم نامے میں' جو حملے کے وقت ایک سپاہی اور ہوا باز تک پہنچایا گیا تھا' صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "تمہارا دشمن اچھی طرح تربیت یافتہ' ساز و سامان سے لیس اور جنگ آزمودہ ہے۔ وہ وحشیانہ جنگ لڑے گا' لہٰذا اس نیک کام میں اللہ تعالیٰ سے مدد کی ضرور درخواست کریں۔" ادھر وطن میں امریکی صدر روز ویلٹ نے "ڈی ڈے" پر اپنی نشری دعا میں اعتراف کیا کہ قوم کو نہایت خوفناک جنگ کا سامان ہے۔

"اے اللہ! ہمارے بیٹے' قوم کو جن پر ناز ہے' آج ایک زبردست مہم پر جا رہے ہیں۔ ان کے پیش نظر ایک نیک مقصد ہے لیکن ان کا راستہ نہایت کٹھن اور دشوار گزار ہے' دشمن بہت طاقتور ہے' ڈر ہے کہ ہماری افواج کی کمر ہی نہ ٹوٹ جائے۔ ان کے رات اور دن مشقت میں گزریں گے جہاں آگ اور شور کا سماں ہو گا' جنگ کی شدت دل دہلا دینے والی ہو گی۔"

صدر نے جن خطرات کا تذکرہ کیا تھا پوری قوم نے انہیں اپنے اوپر لیا۔ سارا ملک آگاہ تھا کہ ۶/ جون کو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ عیش و عشرت کے مراکز بند کر دیئے گئے۔ کھیلوں کے مقابلے رک گئے۔ صنعتی کارکن "دعائے ربانی" کا ورد کرتے ہوئے دھڑا دھڑ بحری جہازوں کی تیاری میں لگ گئے۔ "خاموش" دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ گرجا گھروں میں گھنٹیاں بجتی رہیں۔ لوگ گلی کوچوں میں دعائیں مانگتے رہے۔ محاذ جنگ پر اس سے بھی زیادہ "خضوع و خشوع" کا عالم تھا۔ ہوائی جہازوں کے ذریعے بھیجی جانے والی ایک فوجی بٹالین کے کمانڈر اپنے جوانوں کو جہاز میں سوار ہوتے وقت کہہ رہے تھے۔ "میں مذہبی آدمی نہیں ہوں لیکن یہ وقت ایسا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ

ہم مل کر اللہ کے حضور جھک جائیں اور اس سے مدد کی درخواست کریں۔" (اگلے ہی روز یہ کمانڈر جنگ میں مارا گیا)۔

"اوماہا" کے ساحل پر قدم رکھنے والے فوجی دستے یہ خیال کر رہے تھے کہ اس وقت ساحل بالکل سنسان پڑا ہو گا مگر ان کا واسطہ جرمن فوج کی طرف سے برسائی جانے والی گولیوں سے پڑا جو ساحل کی ایک انچ زمین بھی خالی نہیں رہنے دے پا رہی تھیں۔ ناگہانی آفات نے مزید جلتی پر تیل کا کام کیا۔ کئی فوجی جوان بحری جہازوں اور لینڈنگ کرافٹس کے درمیان پھنس کر اپنی ٹانگیں تڑوا بیٹھے یا کچلے گئے۔ پانچ سو فوجیوں کو لے کر آنے والے سترہ لینڈنگ کرافٹ راستہ میں ہی غرق ہو گئے۔ کئی چھاتہ فوجی چھلانگ لگانے کے بعد سمندر میں جا گرے۔ پورا توپ خانہ پانی کی نذر ہو گیا۔ بتیس ٹینک عملہ سمیت غرقاب ہو گئے۔ موقع پر پتہ چلا کہ ریڈیو سیٹ گیلے ہو جانے کی وجہ سے کام نہیں کر رہے اور بحری جہازوں سے ہونے والی بمباری کے شور میں کوئی بھی احکامات سنائی نہیں دے رہے۔ جونہی بحری جہاز ساحل کے ساتھ آ کر لگے اور جوان نیچے اترنے کے لئے بھاگے تو انہیں معلوم ہوا کہ ساحل کی بجائے وہ گردن تک پانی میں اتر چکے ہیں اور ادھر سے گولیوں کی بوچھاڑ ہے۔ زیادہ تر کشتیوں میں ہی ہلاک ہو گئے۔ ان کے پاس جو گولہ بارود تھا اس کے پھٹنے سے مزید تباہی مچی۔ دس منٹ کے اندر اندر ایک رائفل کمپنی کے ۲۰۵ میں سے ۱۹۷ جوانوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ادھر ریڈیو سیٹ خراب ہونے کی وجہ سے واپس اطلاع دینا بھی ممکن نہ رہا کہ پیچھے سے مزید لوگوں کو موت کے منہ میں نہ دھکیلا جائے۔

کئی گھنٹے جاری رہنے والے اس آگ اور خون کے کھیل سے کیا شے انہیں باہر نکال لائی؟ "قیادت" بالکل! لیکن یہ قیادت ہے کیا شے؟ کیا یہ محض وعظ و نصیحت کا نام ہے۔ بالادستی، برتری یا سزا کے خوف سے قیادت وجود میں آتی ہے۔ فوج میں نئی قیادت کی تیاری میں موٹی سویوں کے ایک ایسے گچھے کا تصور ذہن میں لایا جاتا ہے جو گیلا ہو اور کسی چکنی جگہ رکھا ہو۔ اسے پیچھے سے دھکیلیں گے تو سویاں اسی جگہ پھسلتی رہیں گی لہٰذا انہیں آگے سے پکڑ کر کھینچنا ہو گا۔ لیکن فرض کیجئے کہ کوئی سرکاری یا غیر سرکاری راہنما پکارتا ہے کہ "آؤ! میرا ساتھ دو" اور کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ کیا یہ بلاوجہ ہے کہ لوگ کسی شخص کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اور اس کے لئے نعرے لگاتے ہیں۔ ایک شے ہے جس کا نام ہے "سیرت"۔ ایک قائد میں اس کا نمایاں طور پر ہونا بہت ضروری ہے۔ لوگ اسے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوں اور اس جیسا بننے کی خواہش رکھتے ہوں یا چاہتے ہوں کہ اس کی نگاہوں میں آ جائیں۔ وہ چاہتے ہوں کہ جب وہ کوئی کارنامہ انجام دیں تو ان کا قائد ان کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہے "مجھے تم پر فخر ہے"۔ بعض اوقات محض جذباتی اپیل سے بھی بہت بڑا کام ہو جاتا ہے۔ "اوماہا" پر ایک آفیسر مسلسل خون ریزی سے تنگ آ کر اٹھ کھڑا ہوا اور چلا کر کہنے لگا "اس ساحل پر دو طرح کے لوگ موجود ہیں، ایک وہ جو مر چکے ہیں اور دوسرے وہ جو موت کے منتظر ہیں" ان کی اس بات نے تعطل کو توڑنے میں جادو کا اثر دکھایا۔ اگلے چوبیس گھنٹوں میں پونے دو لاکھ فوج اور پچاس ہزار گاڑیاں محفوظ مقام پر پہنچ چکی تھیں۔ اس کی قیمت تو بہرحال ادا کرنا پڑی۔ سمندر میں جہاں تک نگاہ دوڑائی جا سکتی تھی تباہ شدہ بحری جہازوں، جلے ہوئے لینڈ کرافٹس اور لاشوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ جنرل آئزن ہاور میں جنگی مہارت کی کمی تو ہو سکتی تھی لیکن تخیل اور ہمدردی کی ہرگز کوئی کمی نہ تھی۔ اسے پہلے سے اندازہ تھا کہ ان کا حملہ ناکام ہو سکتا ہے اور اس نے جو منصوبہ تیار کیا ہے اس سے لاتعداد جانوں کے ضیاع کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ چنانچہ ۵ / جون کی رات غیر یقینی موسمی حالات کے باوجود حملے کا حکم دینے کے بعد اس نے خاموشی سے قلم اٹھایا اور اپنا وہ بیان تحریر کیا جو حملے کی ناکامی کی صورت میں جاری کیا جانا تھا۔

"ہمارا حملہ ناکام ہو گیا ہے اور میں نے فوجیں واپس بلا لی ہیں، اس میں جو بھی نقصان ہوا اس کا ذمہ دار صرف میں ہوں۔"

اگست ۱۹۴۱ء میں جرمن ہوائی فوج کے چیف ہرمن گورنگ نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا کہ "یہ کاریں اور ریفریجریٹر تو بنا سکتے ہیں ہوائی جہاز نہیں"۔ ۱۹۴۳ء تک صورت حال اس قدر تبدیل ہو چکی تھی کہ امریکی ہوائی فوج دن دہاڑے جرمنی کے اندر جا کر حملے کر رہی تھی۔ سی۔ بی۔ ایس کے نامہ نگار ایڈورڈ مرو کے کہنا تھا کہ آسمان پر اتحادی طیاروں کی گھن گرج سے گمان ہوتا تھا کہ کوئی دیو قامت فیکٹری اوپر چالو ہے۔ ایک جرمن سپاہی کا کہنا تھا کہ "مشرقی محاذ پر ہمارا مقابلہ انسانوں سے تھا لیکن یہاں مشینوں کے ساتھ ہے۔" جنرل رومیل نے "ڈی ڈے" کے چند ہفتے بعد اپنے بیٹے کو خط میں لکھا کہ "ہماری جرات کام نہیں آ سکی۔ خوفناک خون ریزی کے باوجود اب یہ حال ہے کہ ہم جو بھی گولی چلاتے ہیں، نقصان ہمارا ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ گولی سو گنا طاقت کے ساتھ ہمیں واپس لوٹائی جاتی ہے"۔

کہا جاتا ہے کہ اگر یہ حملہ ناکام ہو جاتا تو اگست

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

غلبۂ دین کے لئے سیاسی و جمہوری جدوجہد؟

فیاض اختر میاں

حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کے بعد جب کفار مکہ نے جان لیا کہ جسمانی تکالیف اور ایذاؤں سے محمدؐ کے ساتھیوں میں ضعف کی بجائے استقامت ہی پیدا ہوئی ہے تو ابو جہل، عتبہ، شیبہ، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، اسود بن المطلب اور دیگر رؤسائے قریش نے مشورہ کر کے عتبہ بن ربیعہ کو حضور ﷺ سے مذاکرات کے لئے منتخب کیا جو شعر گوئی، کہانت اور سحر میں اپنے زمانے کا ماہر مانا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ حضورؐ کے پاس آیا اور گویا ہوا:

"اے محمد ﷺ آپ کے حسب و نسب کے فائق ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر افسوس کہ آپ نے قوم میں تفریق ڈال دی ہے۔ آپ ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں اور آباء و اجداد کو احمق و نادان بتلاتے ہیں۔ میں اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اے ابو الولید کہو، میں سن رہا ہوں۔" عتبہ نے کہا۔ "اے میرے بھائی کے بیٹے، تمہارا ان باتوں سے کیا مقصد ہے۔ اگر تم مال و دولت کے خواہاں ہو تو ہم سب تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں کہ بڑے سے بڑا امیر بھی تمہاری ہمسری نہ کر سکے اور اگر تم شادی کرنا چاہتے ہو تو جس عورت سے اور جتنی عورتوں سے چاہو، ہم تمہاری شادی کرا دیں اور اگر عزت اور سرداری مطلوب ہے تو ہم سب تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور اگر حکومت اور ریاست چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں گے اور اگر تمہیں

آسیب ہے تو ہم اس کا علاج کرا دیتے ہیں"۔
آپ نے فرمایا "اے ابوالولید تم کو جو کہنا تھا کہہ چکے!"۔ عتبہ نے کہا۔ "ہاں"۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا "اب جو میں کہتا ہوں وہ سنو' مجھ کو نہ مال و دولت درکار ہے اور نہ تمہاری حکومت اور سرداری مطلوب ہے"

سیرت مطہرہ کا یہ واقعہ ہر سیرت نگار نے نقل کیا ہے گویا کہ سند کے اعتبار سے متفق علیہ ہے اور اس بات میں بھی کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ حضورؐ خیر البشر ہیں یعنی نہ آپؐ سے پہلے کوئی آپؐ جیسا عقلمند' دانا' مدبر شخص پیدا ہوا اور نہ آپؐ کے بعد رہتی دنیا تک کوئی آپؐ جیسا ہو گا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی ہر دم راہنمائی بذریعہ جبرائیل امین آپؐ کے شامل حال تھی تو پھر سوچنے کی بات ہے کہ آخر وہ کون سی وجوہات تھیں جن کی بناء پر آپؐ نے قریش مکہ کی یہ پیشکشیں ٹھکرا دیں حالانکہ نبی اکرم ﷺ سرداری اور حکومت حاصل کر کے بھی "نفاذ اسلام" کی راہ ہموار کر سکتے تھے۔ جبکہ پاکستان میں دینی سیاسی قائدین کا طرز عمل یہ ہے کہ نظام کی تبدیلی کے لئے حضورؐ کی سنت یعنی انقلابی جدوجہد کی بجائے وہ موجودہ مشرکانہ نظام حکومت کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے اسی نظام کے متعین کردہ انتخابی طریقہ کار پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں۔

اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ جن لوگوں نے انتخابی اور جمہوری راستے کو اسلام کے لئے اختیار کیا' وہ اپنی نیتوں میں مخلص ہی ہوں گے مگر اب جبکہ ہمارے علمائے کرام اور دینی قائدین کو اس اتنی بڑی اجتہادی غلطی کو دہراتے ہوئے چالیس برس سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے اور اب جبکہ ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ یہ جان چکا ہے کہ اس راستہ سے نظام میں تبدیلی تو کجا' دینی جماعتیں اکثریت بھی کبھی حاصل نہیں کر سکیں گی تو آخر بالغ نظری پر مبنی ایک عاقلانہ فیصلے کے لئے کتنا عرصہ درکار ہے اور اب جبکہ ملک کی بگڑتی ہوئی حالت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ "Now or Never" ابھی یا پھر کبھی نہیں۔ کیا یہ حضرات اس وقت حضور ﷺ کے انقلابی طریقہ کار کی طرف متوجہ ہوں گے جب خدانخواستہ کچھ نہ بچے گا؟۔

اگر پاکستان کی تاریخ بھی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں تو تاریخ انسانی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو۔ جب سے دنیا وجود میں آئی ہے' تب سے اب تک کبھی ایسا ہوا بھی ہے کہ کوئی جما جمایا نظام بغیر کسی انقلابی عمل کے بدل گیا ہو؟۔ یا حقیقت یہ ہے کہ اجتماعیت کے تینوں گوشوں سیاسی' اقتصادی اور معاشرتی نظام میں مکمل تو کجا کسی ایک گوشہ میں بھی انقلابی جدوجہد کے بغیر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ثانیاً حضرت محمد ﷺ کو بھی جو دونوں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے' انقلابی عمل میں انسانی خون کی ندیاں بہانی پڑیں اور خود آپ ﷺ کا جسم اطہر بھی خون میں نہا گیا۔ آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا اور منہ سے خون کا فوارہ چھوٹا۔ اس عمل میں سینکڑوں صحابہؓ شہید ہوئے۔ انقلاب کے علاوہ کوئی اور "پرامن" رستہ نظام کی تبدیلی کے لئے مفید پاتے تو کیا آپؐ اسے اختیار نہ کرتے جس میں انسانی خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہانا پڑتا۔

منطقی اعتبار سے بھی کسی نظام حکومت میں حکومت کی تبدیلی کے لئے طے کردہ طریقہ کار سے صرف چہرے بدلتے ہیں' ہاتھ بدلتے ہیں' نظام کبھی نہیں بدلتا۔ چاہے حزب اقتدار ہو یا حزب اختلاف یا دیگر قائدین لفظ انقلاب کو خوب استعمال کرتے ہیں جس کا مقصد لوگوں کو دھوکا دینے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوتا۔ دنیا جانتی ہے کہ دنیا میں انقلابات چاہے وہ محمد ﷺ کا کامل ترین انقلاب ہو یا فرانس' روس اور ایران کے جزوی انقلابات' صرف اور صرف انقلابی عمل سے ہی رونما ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کے گروہی تعصبات سے بالاتر ہو کر قرآن و سنت پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ OO

ملکی معیشت کے اصل روگ

حبیب اللہ شاہد

پیش بندی اور منصوبہ بندی نہ ہونے کے برابر ہے

آدم سمتھ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "دولت اقوام" The Wealth of Nations میں تحریر کیا ہے کہ دولت کا سرچشمہ زراعت نہیں صنعت کاری ہے۔ اسی کا فلسفہ تھا جسے اپنا کر یورپ نے زراعت کو پس پشت ڈالا اور صنعتی نظام کی مضبوط نظام بنیاد قائم کی اور یہی وہ صنعتی نظام تھا جس نے یورپ کو طاقتور حکومتیں فراہم کیں۔ اپنے کارخانوں کے لئے خام مال کے حصول کی غرض سے ان ممالک نے پسماندہ ممالک کا رخ کیا اور کوڑیوں کے بھاؤ خریدے ہوئے خام مال کو مصنوعات کی شکل میں تبدیل کر کے خوب نفع کمایا۔ اس کی مثال یوں سمجھی جا سکتی ہے کہ خام المونیم کو سستے داموں خرید کر جب اسے بوئنگ طیارے کی شکل میں ڈھال دیا جاتا ہے تو باکسائیٹ (المونیم کی کچ دھات) کے مقابلے میں طیارے کی قیمت لاکھوں گنا زیادہ ہوتی ہے۔

مغرب کے لئے ضروری تھا کہ اپنی مصنوعات کے لئے مستقل منڈیاں قائم رکھے تاکہ دیگر اقوام کی دولت کا بہاؤ یورپی ممالک کی جانب جاری و ساری رہے لہٰذا ایک منصوبے کے تحت خصوصی ٹیکنالوجی کی حامل صنعتوں کو دنیا کے دیگر علاقوں میں منتقلی کی منظم طریقے سے حوصلہ شکنی کی گئی۔ اسی پس منظر میں جب پاکستان کی معاشیات کو دیکھا جائے تو بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مغرب نے اپنی عیارانہ چالوں کا سب سے بہترین نتیجہ یہاں سے حاصل کیا۔ یہاں عوام کو سیاست دانوں کے ذریعے یہ پرفریب نعرہ دیا گیا کہ "زراعت ہماری معیشت ہے" لہٰذا اصل توجہ زمینداری نظام کی ترویج و ترقی اور زمینداروں کے مفادات کے تحفظ کی جانب رکھی گئی اور اس رویئے نے ملک میں مضبوط صنعتی انفرااسٹرکچر کی بنیاد کو قائم ہی نہ ہونے دیا۔

مزید ظلم یہ کیا گیا کہ زراعت کو معیشت کے لئے ریڑھ کی ہڈی قرار دینے والوں نے ملک کو زرعی خود کفالت کی جانب گامزن کرنے کی کوششوں کو بھی سنجیدگی سے نہیں لیا نتیجہ ملک کو بارہا سنگین معاشی بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آج ایک بار پھر ملکی معیشت دگرگوں حالات کا شکار ہے جس کا اثر آنے والے مالی

سال میں بری طرح محسوس کیا جائے گا۔ ۹۴-۱۹۹۳ء میں کپاس کی فصل پر وائرس کے حملے، خشک سالی، بجلی کی شدید قلت، انفرا اسٹرکچر میں رکاوٹوں، سیاسی جوڑ توڑ اور سندھ کے فسادات نے بحیثیت مجموعی معاشی ترقی کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور پاکستان کی زرعی و صنعتی پیداوار میں نمایاں کمی واقع ہوئی ہے۔

اسٹاک ایکسچینج میں بیرونی سرمایہ کاری کے باوجود تجارتی اداروں میں وہ گہما گہمی مفقود ہے جو تجارتی ماحول کا خاصا ہوا کرتی ہے۔ ذرائع ابلاغ میں شائع ہونے والی رپورٹوں کے مطابق کراچی اسٹاک ایکسچینج سے وابستہ سرمایہ کاروں کے ۲۰ ارب روپے ڈوب چکے ہیں۔

جہاں تک پاکستانی برآمدات کا تعلق ہے، ہماری کل برآمدات کا ساٹھ فیصد حصہ کپاس کی برآمد پر مشتمل ہے۔ وائرس کے حملے کے باعث کپاس کی پیداوار میں ۱.۳ ملین ٹن کی کمی نے صورت حال کو خاصا گمبھیر بنا دیا ہے۔ ماہرین کے مطابق ۳۰ جون تک ۷.۱ ملین گانٹھوں کی پیداوار متوقع ہے جو گزشتہ برس کے مقابلے میں ۴۰ فی صد کم ہے۔ کپاس کی کمی کو پورا کرنے کے لئے حکومت نے فروری کے وسط میں ۵۰ ہزار گانٹھیں درآمد کیں۔ صورت حال کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کراچی کاٹن ایکسچینج میں اپریل کے آخری عشرے کے دوران کپاس کی قیمت دو ہزار نو سو روپے تک پہنچ گئی۔ دھاگے کی قیمتوں میں تین سو روپے فی بنڈل کے ریکارڈ اضافے سے ملتان، کراچی، فیصل آباد، جھنگ، خوشاب اور شاہ یوسف جیسے شہروں میں جن میں سے اکثر کو ٹیکسٹائل سٹی بھی کہا جاتا ہے، مالکان اپنی پاور لومز بند کرنے پر مجبور ہو گئے۔

اطلاعات کے مطابق صرف خوشاب میں ۳۵۰ پاور لومز کو بند کر دیا گیا ہے جس کے باعث چھ سو سے زائد کاریگر اور اس صنعت سے وابستہ دو ہزار دیگر افراد بے روزگاری کا شکار ہو گئے ہیں۔ اگر حکومت نے سٹہ بازی پر کنٹرول حاصل نہ کیا اور پولی ایسٹر فائبر کو درآمدی ڈیوٹی سے مستثنیٰ نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ ملک کے ویلیو ایڈڈ ٹیکسٹائل سیکٹر سے تعلق رکھنے والے پچاس لاکھ سے زائد افراد بے روزگاری کا شکار ہو جائیں گے۔ حکومتی سطح پر بھی حالات کی سنگینی کا اعتراف کیا جا رہا ہے۔ وزارت تجارت کی ایڈوائزری کونسل کے ۴۵ ویں اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے وفاقی وزیر برائے تجارت چوہدری احمد مختار نے کہا ہے کہ کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن آف پاکستان کو یہ حکم دے دیا گیا ہے کہ وہ خود کو کسی بھی لمحے روئی کی درآمد کے لئے تیار رکھے کیونکہ روئی کے مقامی اسٹاک ختم ہو چکے ہیں۔

پاکستانی عوام کے لئے یہ سال یوں بھی بھاری گزرا ہے کہ خشک سالی نے ملک کے بارانی علاقوں میں گندم کی پیداوار کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ اس سال گندم کی کل پیداوار کا تخمینہ ۱۴.۵ ملین ٹن ہے جو گزشتہ برس سے مقابلے میں ۱۳ فی صد کم ہے۔ غذائی کمی کو پورا کرنے کے لئے امریکہ سے ۱.۷ ملین ٹن گندم پہلے ہی درآمد کی جا چکی ہے اور جون تک توقع ہے کہ مزید ۲.۵ ملین ٹن گندم درآمد کرنا ہو گی، جو گزشتہ سال کے مقابلے میں ۲۵ % زیادہ ہے۔ اسی دوران گھٹیا درجے کی گندم درآمد کرنے کے سکینڈل بھی سامنے آ چکے ہیں۔

توانائی کے میدان میں ناقص منصوبہ بندی، ڈیموں میں پانی کی کمی اور بدانتظامی کے باعث صنعتی پیداوار پر نہایت برے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ امسال پاکستان میں بجلی کا جو بحران پیدا ہوا ہے پاکستان کی تاریخ کا شدید ترین بحران تھا۔

تھرمل اسٹیشنوں پر دباؤ کے باعث بیشتر ٹربائن اپنی استعداد کے مقابلے میں صرف ۴۰ % بجلی پیدا کر سکے لہٰذا پنجاب کے دیہی اور شہری علاقوں میں بالترتیب ۸ اور ۶ گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ کرنا پڑی۔ یاد رہے کہ ملک میں بجلی کی کل مانگ ۷۷۹۲ میگاواٹ ہے جس میں ہر سال ۱۵ % اضافہ ہو رہا ہے۔ ماہرین کے مطابق اگر "فیصلہ کن اقدامات" میں مزید تاخیر کی گئی تو طلب اور پیداوار کے درمیان موجود ۱۵۰۰ میگاواٹ کا فرق مزید بڑھتا چلا جائے گا۔ کالا باغ ڈیم ایک ایسا منصوبہ تھا جو ملک کو ۴۰۰۰ میگاواٹ بجلی باآسانی فراہم کر سکتا تھا۔ اس منصوبہ کی لاگت کا تخمینہ ۱۹۹۱ء میں، ۹۰ ارب روپے تھا، اب اس کی لاگت روپے کی گرتی ہوئی قیمت کے باعث ۵ ارب ڈالر یعنی ۱۶۰ ارب روپے سے زائد ہو چکی ہے جبکہ صرف کاغذی تیاری پر اب تک ایک ارب روپے سے زائد رقم خرچ کی جا چکی ہے۔ اگر یہ ڈیم بن چکا ہوتا تو ملکی صنعت کو ۳۰ تا ۵۰ پیسے فی یونٹ کے خرچ سے حاصل کردہ بجلی مہیا کی جا سکتی تھی۔ سیاست دانوں کی ہٹ دھرمی اور ضد کے باعث کالا باغ ڈیم کی طرح غازی بھروتہ ڈیم جس کا جدید نام غازی گھڑیالہ ڈیم ہے، سیاسی اختلافات کا شکار ہوتا نظر آتا ہے۔ اس منصوبے کے ذریعہ ۱۳۵۰ میگاواٹ بجلی سارا سال بغیر کسی وقفے کے حاصل کی جا سکتی ہے لیکن چند لوگوں کی ضد کے باعث درآمدی تیل سے پیدا شدہ حد درجہ مہنگی بجلی معاشرت اور معیشت دونوں کو بری طرح نقصان پہنچا رہی ہے۔ اگر اس تھرمل بجلی پر انحصار اسی طرح قائم رہا تو آئندہ چند برسوں میں بجلی کا نرخ ۶ روپے فی یونٹ تک پہنچ جائے گا۔ نتیجتاً عام صارف تو کجا ہماری صنعت و زراعت بھی، سالانہ ۸ ارب روپے سے زائد کے خریدے ہوئے تیل سے پیدا شدہ مہنگی بجلی استعمال کرنے سے قاصر رہیں گے اور اگر کچھ یونٹ استعمال کر بھی لیں گے تو مصنوعات کی قیمتوں میں زبردست اضافہ متوقع ہو گا۔ یہ وہ حالات ہیں جن کی جانب فوری طور پر توجہ نہ دی گئی تو رہی سہی صنعتی ترقی کو سخت نقصان اور بیرونی سرمایہ کاری میں نمایاں کمی کا اندیشہ ہے۔

آخر میں ہم بیوروکریسی، سیاست دانوں اور دیگر ماہرین سے یہ گزارش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس سوال کا جواب دیں کہ آنے والے ماہ و سال میں ملکی معیشت کی بہتری، خود کفالت اور عوام کے معیار زندگی میں اضافے کے لئے وہ عزم، یقین، جہد، خود اعتمادی اور مفاہمت جیسے عظیم انسانی رویوں کو اپنانے میں کس قدر خلوص سے کام لیں گے؟

OO

بقیہ : احترام آدمیت

فی الفور عمل کیا جائے اور فوراً انصاف عوام کو ملے۔

☆ حقوق الناس سے متعلقہ قوانین کی تدوین کی جائے۔ گو انفرادی طور پر ایسے معاملات میں قانون کی مشینری حرکت میں تو آتی ہے لیکن انصاف اتنی دیر سے ملتا ہے کہ سائل بے زار ہو جاتا ہے۔ ان تمام معاملات اور قوانین کو یکجا کیا جائے۔ اس طرح یہ اچھی طرح لاگو ہو سکتا ہے۔

☆ عزت نفس کو مجروح ہونے سے بچایا جائے۔ ابلاغ عامہ کے ذریعہ احترام انسانیت کا پرچار کیا جائے۔ ایک رئیس اور امیر کبیر کو جو عزت دی جاتی ہے معاشرے کا ہر فرد وہ عزت ہر غریب اور مفلوک الحال شخص کو دے۔ دیگر محکمہ جات بالخصوص پولیس یورپ میں (مثلاً برطانیہ میں) ہر شخص کی عزت نفس کا خیال رکھتی ہے۔ ایک ڈرائیور کو بھی احترام سے بلایا جاتا ہے اور معاشرے کے غریب ترین شخص کو بھی --- معاشرے میں اونچ نیچ دولت اور عہدوں سے نہیں بلکہ انسانیت اور تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ OO

ماہنامہ "ساحل" کراچی (مئی ۹۴ء) کا ڈاکٹر اسرار احمد سے انٹرویو

زکوٰۃ کے نظام اور بلاسود بینکاری سے اسلام کو بدنام کیا گیا

ہماری اسّی فیصد آبادی پر جاگیردار مسلط ہیں

نواز شریف اور پی پی پی یکساں سیکولر ہیں

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد کا شمار ہمارے ملک کے دانشور طبقہ میں ہوتا ہے۔ آپ دینی ماحول میں رہتے ہوئے شائستہ سیاست مثبت تعمیری سرگرمیوں' اصلاح ملت و احیائے دین کے لئے کوشاں ہیں۔ پاکستان کی سالمیت' خارجہ تعلقات' سابقہ حکومتوں کی غلط کاریوں' موجودہ حکومت کا مستقبل' اپوزیشن کے خدشات کے بارے میں تجزیئے' ملک میں نفاذ اسلام کے متعلق چند اندازے اور سیاسی راہنماؤں کی حرص و ہوس کو بے نقاب کر دینے والی ان کی حقیقت پسندانہ گفتگو قارئین کے لئے قابل توجہ ہے۔

ساحل : پاکستان میں حکومتیں سیاسی محاذ آرائی کے سبب بر سراقتدار آتی ہیں اور اسی پر اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔ وہ کون سے محرکات ہیں جنہوں نے یہاں سیاسی استحکام نہیں ہونے دیا نیز آپ موجودہ حکومت کے قیام کے بارے میں کیا سمجھتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار : اس ملک کی پاور پالیٹیکس سے میں براہ راست تعلق نہیں رکھتا۔ انسان حتمی رائے تبھی قائم کرے جب اس کا متعلقہ حلقوں میں آنا جانا رہے تاہم میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک میں جمہوریت کی گاڑی کو مارشل لاء نے روک دیا جس کی وجہ سے ہمارے جمہوری ادارے استحکام نہ پا سکے اور انہیں کوئی ترقی بھی نصیب نہیں ہو سکی۔ اب جو انتخابات ہو رہے ہیں اس سے دراصل ہماری صورت حال بہتری کی جانب جا رہی ہے چنانچہ ہمارا ملک ٹو پارٹی سسٹم کے قریب پہنچ رہا ہے۔ اگرچہ ان دونوں پارٹیوں کو ابھی تک کوئی علیحدہ فیصلہ کن قوت حاصل نہیں ہوئی اور دونوں ہی بیساکھیوں کی محتاج ہیں لیکن اگر جمہوری عمل جاری رہے تو اس سے استحکام کا امکان ہے۔ اگر ہمیں کچھ مہلت مل جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ تدریجی عمل سے صورت حال بہتر ہو سکتی ہے۔

ساحل : آپ کا یہ اشارہ فوج کی جانب ہے؟

ڈاکٹر اسرار : نہیں میرا اشارہ یہ تھا کہ اس ملک میں اسلام کے سوا کسی نظام کی بقاء نہیں۔ اسلام کے نام پر ہندوستان کی تقسیم ہوئی' لاکھوں جانوں کا ضیاع اور افراد کی ہجرت ہوئی اور یہ سب کچھ ظاہر ہے اس لئے ہوا کہ ہم اپنی الگ تہذیب و تمدن اور تشخص کو فروغ دے سکیں اور جیسا کہ علامہ محمد اقبال نے اپنے ۱۹۳۰ء کے خطبہ میں کہا تھا کہ :

> "میں محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں ایک آزاد مسلم ریاست قائم ہو گی اور اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ اسلام کی اصل تعلیمات پر دور ملوکیت میں جو پردے پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اسلام کی عملی تعلیمات کا دنیا کے سامنے نمونہ پیش کریں"

اس میں چونکہ ابھی کوئی پیش رفت نہیں ہوئی بلکہ تاحال بڑی شدید کوتاہیاں ہوئی ہیں اس کے حوالے سے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سزا جس کا ایک کوڑا ہمیں ۱۹۷۱ء میں پڑا تھا ہو سکتا ہے دوسرا کوڑا ابھی تیار ہو۔ اس لئے کہ میرے ذاتی تجزیئے کے مطابق ہمیں اللہ تعالیٰ نے پہلے ۲۵ برس کی مہلت دی تھی اور قمری تقویم کے مطابق ۲۵ برس بعد اللہ تعالیٰ کا عذاب ہم پر اس صورت میں آیا کہ ملک دولخت ہو گیا اور ہمارے ۹۳ ہزار لوگ ہندوؤں کے قیدی بن گئے۔ اب پھر ۲۵ برس کی مدت ختم ہونے میں دو سال باقی رہ گئے ہیں اور ۱۹۹۶ء کے رمضان المبارک میں ۵۰ برس پورے ہو جائیں گے لہٰذا ہم نے اسلام کے متعلق کوتاہیاں بند نہ کیں تو جیسا کہ آثار نظر آ رہے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب پھر نازل ہو گیا اور تمام عمل کسی حادثہ سے دوچار ہو گیا تو بات اور ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اگر مہلت دی تو کم از کم سیاسی سطح پر کچھ بہتری واقع ہو گی۔

ساحل : اسلام کے حوالے سے ضیاء الحق کے دور کو سنہری تصور کیا جاتا ہے۔ اس دور اور حالیہ دور کا اسلام کے حوالے سے اگر تقابلی جائزہ لیا جائے تو آپ کونسا بہتر سمجھتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار : میں ضیاء الحق کے دور کو اسلام کے حوالے سے درخشاں نہیں مانتا۔ مجھے اس وقت زیادہ سے زیادہ دو ماہ تک یہ مغالطہ لاحق ہوا تھا کہ وہ واقعتاً دین کی کوئی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے میں ان کی دعوت پر مجلس شوریٰ میں شامل ہو گیا تھا حالانکہ اس سے پہلے وہ مجھے مرکزی وزارت پیش کر چکے تھے۔ جب انہوں نے دو وزارتیں ختم کی تھیں جس میں جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام کے ممبران شامل تھے۔ اس موقع پر وہ کراچی سے عمرہ کے لئے روانہ ہو رہے تھے میں بھی اپنے بیٹے کی شادی کے سلسلہ میں وہیں گیا ہوا تھا تو ضیاء صاحب نے اپنے برادر نسبتی ڈاکٹر نور الٰہی (بشارت الٰہی کے بڑے بھائی) کے ذریعے سے پیغام دیا کہ ڈاکٹر صاحب کو کہیں کہ منسٹری کے لئے آگے آئیں جو کہ میں واپس آکر بنانا چاہتا ہوں مگر میں نے جواب دیا کہ اول مجھے اس وادی کے متعلق کوئی پتہ نہیں نیز آپ نے کام بھی نہیں کرنے دینا اصل اقتدار فوج کے ہاتھوں میں ہے اور جیسے پہلے لوگ داغدار ہو کر وہاں سے نکلے ہیں اسی طرح کا حشر ہر آنے والے کا ہو گا لیکن بہرحال جب انہوں نے شوریٰ کی دعوت دی تو اس میں مسئلہ ایسا نہیں تھا لہٰذا میں نے وہ قبول کر لی لیکن مجھے دو مہینے

کے اندر معلوم ہوگیا کہ اس ضمن میں ان کا حقیقتاً کچھ کرنے کا ارادہ نہیں ہے لہٰذا میں نے انہیں ملاقاتوں کے دوران مشورہ دیا کہ آپ الیکشن کو غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر رہے ہیں ایسا کرنا دہشت گرد سرگرمیوں کو فروغ دے گا پھر ایسا ہی ہوا کہ اس زمانے میں پاکستان کا جہاز اغوار کیا گیا اور الذوالفقار تنظیم سامنے آئی میرے نزدیک انہوں نے صحیح سمت کی جانب ایک قدم اٹھایا تھا اور وہ یہ کہ عدلیہ کے ذریعے اسلامی قوانین کے نفاذ پر عمل در آمد ہوا۔ لیکن اس اعتبار سے وہ بھی کامیاب نہ ہوا کہ اگر علیحدہ سے عدالت بنانا تھی تو اس کا معیار سپریم کورٹ جیسا ہونا چاہئے تھا۔ اولاً یہ کہ وہ کام سپریم کورٹ ہی کے حوالے ہونا چاہئے تھا اور علماء کرام مشاورت کرتے لیکن وہ عدالتیں بنانا میرے نزدیک غلط تھا۔ ثانیاً یہ کہ جب انہوں نے فیڈرل شریعت کورٹ کو اختیار اس طرح دیا کہ دو ہتھکڑیاں ان کے ہاتھوں میں اور دو بیڑیاں ان کے پیروں میں پہنادیں۔ دستور پاکستان بھی ان کے دائرۂ اختیار سے باہر اور عدالتی قوانین بھی ان کے دائرۂ اختیار سے باہر' عائلی قوانین بھی ان کے دائرۂ کار سے باہر اور مالی قوانین بھی دس سال کے لئے ان کے دائرہ کار سے باہر۔ اس طرح کوئی مثبت نتائج تاحال اس سے بھی بر آمد نہیں ہو سکے بلکہ ہم نے اسلام کو بدنام کیا۔ اسی طرح زکوٰۃ ' سود اور بلاسود بنکاری کے نظام سے اسلام کو بدنام کرنے کے سوا کوئی فوائد حاصل نہ ہوئے۔

ساحل : ڈاکٹر صاحب! موجودہ جمہوری نظام بھی تو اسلام کے لئے خیر خواہ ثابت نہیں ہوا۔

ڈاکٹر اسرار : جمہوری نظام ایک اعتبار سے مفید ہے وہ یہ کہ اس میں شخصی حکومت کا تصور نہیں ہے۔ شہریوں کو اظہار رائے کا حق حاصل ہے 'ایسوسی ایشن' جماعت سازی کا حق حاصل ہے۔ میں یہ تقابل ان مسلم ممالک سے کر رہا ہوں جہاں بادشاہتیں قائم ہیں مثلاً سعودی عرب' امارات یا جہاں ڈکیٹیٹر شپ قائم ہے وہاں یہ حق بھی لوگوں کو حاصل نہیں۔ اس حوالے سے میں اسے جمہوریت کا مثبت پہلو سمجھتا ہوں اس جمہوری نظام کے تحت ہونے والے انتخابات سے میں سمجھتا ہوں کہ اسلام نافذ نہیں ہو سکتا۔ انتخابات اصل میں نظام کو چلانے کے لئے ہوتے ہیں نظام کو بدلنے کے لئے نہیں ہوتے۔ کسی ملک میں جو بھی پولیٹیکل سوشل اکنامک سسٹم رائج ہے ان کی بنیاد پر پاور پالیٹکس بنے ہوئے ہیں مثلاً ہمارے ہاں جاگیرداری ہے۔ ۸۰ فیصد ووٹر آپ کا جاگیرداری تھم (انگوٹھے) کے نیچے ہے اور ظاہر ہے اس سے جو بھی شفاف سے شفاف جیسے بھی آپ کروالیں وہی جاگیردار آئے گا' یہ ہو سکتا ہے کہ ایک مزاری کے بجائے دوسرا مزاری ایک گیلانی کے بجائے دوسرا گیلانی اور ایک جتوئی کے بجائے کوئی دوسرا جتوئی آئے گا لیکن اس کلاس سے باہر کے لوگ نہیں آگے آ سکتے۔ اب ظاہری بات ہے کہ جب وہ لوگ پارلیمنٹ اور سینٹ میں بیٹھیں گے تو اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی تو نہیں ماریں گے۔ لہٰذا جو نظام چل رہا ہے وہ اسی کو لے کر چلیں گے۔ اگر کوئی اچھے لوگ کبھی آ جائیں تو کوئی جزوی سی کوشش ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر آپ یہ سمجھنے لگیں کہ اسلام کا مکمل نظام اس سے آجائے گا تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسلام میں اصل شے سوشل اکنامک سسٹم ہے۔ اصل شے نظام ہے' قوانین اسے بچاتے ہیں مثلاً کسی ملک میں جاگیرداری ہے اب آپ چوری یا ڈاکے کے خاتمہ کے لئے بہترین قوانین نفاذ کر دیتے ہیں' اس کا سارا فائدہ جاگیردار کو پہنچے گا۔ آپ ملک کا پولیس' عدالت یا قانونی نظام بالکل صاف کر دیجئے اس کا فائدہ غریب کو تو ہرگز نہ پہنچے گا۔ اسلام کا سوشل اکنامک سسٹم موجودہ نظام سے بالکل مختلف ہے۔ اسے نافذ کرنے کے لئے انقلابی عمل کی ضرورت ہے' انتخابی عمل کی نہیں۔ جمہوری نظام بحیثیت جمہوری حقوق کے مفید ہے اور پھر ان حقوق کو کس میدان میں ہم استعمال کرتے ہیں یہ ہم پر منحصر ہے۔ نظام بدلنے کے لئے اگر الیکشن کا طریقہ اختیار کیا گیا جیسا کہ جماعت اسلامی نے اسلامک فرنٹ کی شکل میں کیا تو یوں چند ایک سیٹیں تو حاصل ہو سکتی ہیں لیکن فیصلہ کن طاقت کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔ نظام بدلنے کے لئے ایک مزاحمتی اور احتجاجی تحریک لے کر میدان میں آیا جائے۔

ساحل : آپ نے اپنے حالیہ بیان میں ملک میں صدارتی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کیا تھا اب آپ موجودہ جمہوری نظام کو بہتر قرار دے رہے ہیں۔ اس تضاد کی خاص وجہ؟

ڈاکٹر اسرار : جمہوریت کے دو Version ہیں پارلیمانی نظام اور صدارتی نظام' امریکہ میں صدارتی نظام کیا غیر جمہوری ہے؟ پارلیمانی نظام کے تحت ووٹرز پارلیمنٹ منتخب کرتے ہیں اور پارلیمنٹ وزیر اعظم اب وہ وزیر اعظم ہر وقت پارلیمنٹ کا محتاج رہے گا۔ اگر چند مینڈک اودھر سے ادھر پھدک جائیں تو حکومت قائم نہیں رہتی لہٰذا وزیر اعظم کی پوری توجہ اس جانب رہتی ہے کہ وہ اپنے ان لوگوں کو سنبھال کر رکھے۔ سرحد میں ایسا ہوا کہ سب آزاد اراکین وزیر بنا دیئے گئے اور پنجاب میں ایک اقلیتی پارٹی کے حوالے حکومت کر دی گئی۔ یہ سب کچھ حکومت کے قیام کے لئے ہوتا ہے۔ صدارتی نظام کے تحت عوام اپنا صدر منتخب کرتی ہے۔ دوسری طرف ایک کانگریس بھی منتخب ہوتی ہے۔ کانگریس کا کام قانون سازی ہوتا ہے۔ ایڈمنسٹریشن یا ایگزیکٹو اتھارٹی صدر کو حاصل ہوتی ہے۔ صدر کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ وہ اپنے وزراء کانگریس سے لے۔ اسے جو بھی ایکسپرٹ ملیں گے وہ انہیں اختیارات دے سکتا ہے خواہ وہ کانگریس کا رکن نہ بھی ہو۔ المختصر یہ دونوں جمہوری نظام ہیں۔ پاکستان میں جمہوری نظام برطانیہ کی باقیات ہے۔ یہ انتہائی نامعقول اور غیر منصفانہ ہے۔ وہاں انہوں نے اسے اس لئے رکھا ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی ملکہ کو اپنی سر پر ضرور سوار رکھنا ہے۔ وہ برمنگھم پیلس میں رہتی ہے جسے میں انسانی چڑیا گھر یا شو پیس کہتا ہوں لیکن ہمارے ملک میں صدر اور وزیر اعظم ہوتے ہیں ان دونوں میں تقسیم کار کا کوئی بھی متوازن طریقہ نہیں ہے لہٰذا صدر یا تو چودھری فضل الٰہی بن جائے گا یا پھر وہ صدر غلام اسحاق خان۔ میرے نزدیک یہاں جمہوریت صدارتی شکل میں قائم ہونا چاہئے تاکہ ایگزیکٹو مشینری کو حقوق ملیں۔ ہاں اگر صدر کوئی غلط حرکت کرے تو مواخذہ کا نظام ہونا چاہئے۔ وہ اتنا مضبوط ہو کہ جیسے واٹر گیٹ سکینڈل آیا تو نکسن صاحب بھاگ گئے۔ اختیارات اپنی جگہ لیکن اگر اس معاملہ میں بددیانتی ہو تو احتساب ضروری ہے۔ میرے نزدیک صدارتی نظام' نظام خلافت سے ماخوذ ہے۔

ساحل : موجودہ اپوزیشن نے حکومت کے خلاف جو ایجی ٹیشن شروع کی ہے اس میں پاکستان کی سلامتی اور اسلام کی بقاء کے حوالے سے حکومت کو بدنام کیا جارہا ہے آپ کے نزدیک اس وقت اسلام اور پاکستان کو کیا خطرات لاحق ہیں؟

ڈاکٹر اسرار : میرے نزدیک نواز شریف صاحب بھی اتنے ہی سیکولر ہیں جتنے پیپلز پارٹی والے فرق صرف اتنا ہے کہ پیپلز پارٹی والے کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں مگر یہ اعلان نہیں کرتے لیکن اپنی سوچ' اقدار' نقطۂ نظر میں یہ بھی پیپلز پارٹی کے برابر ہیں۔ پاکستان کے حوالے سے اپوزیشن کشمیر اور نیوکلیئر مسئلہ پر حکومت کی مخالفت کر رہی ہے حالانکہ مسئلہ کشمیر پر

بھی دونوں کے رویئے یکساں رہے ہیں۔ جب نواز شریف حکومت میں تھے تو انہوں نے کونسا تیر مار لیا تھا۔ اس قوم کی نفسیات میں نعرہ بازی شامل ہے حالانکہ عسکری' معاشی اور بین الاقوامی ساخت کے حوالے سے ہماری کوئی اہمیت نہیں یا تو ایسا ہو جائے کہ پوری قوم میں انقلاب آ جائے۔ تب بھارت کیا امریکہ کا باپ بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مادی وسائل و ذرائع کے اعتبار سے اگر جائزہ لیں تو ہم اس قابل نہیں کہ بھارت کو الٹی میٹم دے دیں۔ جہاد کی باتیں جلسہ عام میں تو کرنا بہت آسان ہے لیکن جب کوئی حکومت میں جا کر اندر کے حالات دیکھتا ہے تو اس کے چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک ایٹمی پالیسی کی بات ہے اس پر بہت مضبوط موقف کی ضرورت ہے اس مسئلہ پر خواہ ہمیں امریکہ سے لڑنا پڑے' کوئی دباؤ قبول نہیں کرنا ہو گا۔ موجودہ حکومت نے اس سلسلہ میں اگر کوئی لچک اختیار کی ہے جس پر نواز شریف نے احتجاج کیا تو یہ ٹھیک ہے کیونکہ پوری قوم کے جذبات ایسے ہی ہیں۔ حکومت نے اگر ایٹمی پالیسی پر دباؤ قبول کیا تو کوئی عوامی تحریک اس کے خلاف اٹھ سکتی ہے۔

ساحل: پاکستان اور امریکہ کے مابین خوشگوار تعلقات کا جو حالیہ سلسلہ شروع ہوا ہے اس پر آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار: میں یہ سمجھتا ہوں کہ امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کے لئے China is a hard nut to crach ہے جب تک وہ چین پر غلبہ حاصل نہیں کر لیتا اس کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔ امریکہ کو چائنہ پر دباؤ ڈالنے کے لئے بیس Base چاہئے اور اس کے لئے اس نے کشمیر کو چن لیا ہے کہ جیسے مغربی ایشیا میں اسرائیل کا ایک اڈہ ہے ایسے ہی وہ کشمیر کو آزاد کرا کے اسے اپنا اڈہ بنانا چاہتا ہے یہ نیت جب سے بھارت نے بھانپ لی ہے وہ پیچھے ہٹنا شروع ہو گیا ہے اسی وجہ سے بھارت اور چین میں نئی مضبوط مفاہمت شروع ہوئی اور بھارت نے اپنی دو ڈویژن فوج وہاں سے نکال کر مغربی محاذ پر لا کھڑی کی ہے۔ بھارت نے تبت کو چین کا اٹوٹ انگ بھی مان لیا ہے حالانکہ اس سے پہلے ایسا نہ ہوا تھا۔ ان تعلقات کی بناء پر امریکہ کی نظر میں پاکستان اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ ممکن ہے آئندہ امریکہ اور چین کی شروع ہونے والی سرد جنگ میں ہم پھر اس کے آلہ کار بن جائیں۔ میری ذاتی رائے ہے کہ ہمیں ایسے اقدام سے بچنا ہو گا اور علاقائی مفاہمت کے کسی منصفانہ' باعزت اور مساویانہ فارمولہ پر عملدر آمد کرنا ہو گا جیسے کہ ایران کی تجویز سامنے آئی ہے۔ ایسی صورت میں ہم امریکہ کے صیہونی نیو ورلڈ آرڈر سے بچ سکتے ہیں۔ امریکہ' بھارت' چین اور پاکستان کو مل کر کوئی بلاک بنانا چاہئے۔

ساحل: ڈاکٹر صاحب! بھارت سے تعلقات استوار کرنے میں ہمیں نقصان کا اندیشہ نہیں جیسا کہ حکومت ظاہر کرتی رہی ہے؟

ڈاکٹر اسرار: ہم اگر لڑتے ہی رہے تو فائدہ مغربی استعمار کو پہنچے گا ہمیں آپس میں لڑنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا۔ پاکستان کو بھارت سے کوئی خطرہ ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ اصل کام اسلام کا ہے تاکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی امداد و حمایت حاصل ہو' اس کی طرف ہم کوئی پیش قدمی نہیں کر رہے ہیں۔ اس پر اللہ کوئی بھی سزا ہم پر نازل کر سکتا ہے وہ بھارت کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔ کشمیر کے مسئلہ پر ہمیں امریکہ کا سہارا لینے کے بجائے جس کے نتیجہ میں کشمیر امریکی اڈہ بن جائے بھارت اور پاکستان کو مذاکرات سے اس حل کر لینا چاہئے۔ اس بات کا سب سے پہلے انکشاف خود بھارتی دانشوروں نے کیا ہے۔ ہمیں اس بات پر بغلیں بجانا کہ امریکہ نے کشمیر کو متنازعہ علاقہ مان لیا ہے یا اس قسم کی اور باتیں حقیقت میں ایک گہری امریکی سازش ہے۔ جب بندر دو بلیوں میں روٹی تقسیم کرنے بیٹھتا ہے تو روٹی وہ ساری خود ہضم کر لیتا ہے اور بلیاں منہ دیکھتی رہ جاتی ہیں۔ پاکستان اور بھارت دو بلیاں ہیں جن کے درمیان امریکہ بندر بن کر بیٹھا ہے۔ کشمیر کو وہ ہڑپ کر جائے گا۔

ساحل: پاک چین تعلقات میں جو سرد مہری واقع ہوئی ہے اس کا تعلق بے نظیر صاحبہ کی حکومت سے بھی ہے؟

ڈاکٹر اسرار: دونوں ممالک کے تعلقات میں کمی تو ضرور آئی ہے لیکن اس کا کوئی تعلق بے نظیر حکومت سے نہیں ہے۔ یہ ورلڈ پالیٹیکس کی وجہ سے ہوا ہے۔

ساحل: اپوزیشن کی ایجی ٹیشن سے حکومت کے خاتمہ کے کوئی آثار آپ کو نظر آتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار: کوئی حکومت بھی یہاں مستقل نہیں آئی اگر پہلی حکومتیں ختم ہو سکتی ہیں تو موجودہ حکومت کا خاتمہ بھی ناممکن نہیں۔ لیکن اسے نتیجہ پھر وہی نکلے گا جو اب تک نکلتا رہا۔ چہرے بدل جائیں گے نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آئے گی نیز ملک و قوم کے لئے اس میں کوئی حقیقی فائدے والی بات بھی نہیں۔ اپوزیشن خواہ کوئی اتحاد قائم کر لے جیسا کہ پہلے قائم ہوتے رہے ہیں تب بھی حکومت بدل سکتی ہے باقی خیر کی کوئی توقع نہیں۔

ساحل: حالات ایک مرتبہ پھر پیپلز پارٹی کے حق میں جا رہے ہیں مرکز صوبوں اور وفاق میں اسی کے افراد بیٹھے ہیں تو کیا میاں نواز شریف تحریک نظام مصطفیٰ کی طرز پر اسلام کو سیاسی آلہ کار کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں اور اگر ایسا ہوا تو ان کو کامیابی کی کیا توقعات ہو سکتی ہے؟

ڈاکٹر اسرار: بظاہر ایسے آثار تو نظر نہیں آ رہے اس لئے کہ اپوزیشن میں مرکزی آدمی میاں نواز شریف ہیں جو کھلم کھلا اسلام کی جانب جانے پر رضامند نہیں ہیں اور اس وقت جو عالمی فضا قائم ہے وہ اس کے حق میں ہیں چنانچہ وہ کھلم کھلا یہ اعلان بھی کر چکے ہیں کہ میں بنیاد پرست نہیں ہوں۔ میرے نزدیک ملک کی دونوں قوتیں امریکہ کے سامنے سر بسجود ہیں۔

ساحل: سندھ میں فوج نے جو آپریشن شروع کیا تھا وہ ابھی تک ختم نہیں ہو سکا جبکہ امن کی بھی کوئی صورت حال نہیں بن سکی اس کی کیا وجوہات ہیں؟

ڈاکٹر اسرار: سندھ میں امن ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کے لئے تو گرینڈ پلان کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں صوبوں کو چھوٹا بنایا جائے اور ان کی تعداد ۱۵' ۲۰ کر دی جائے۔ پنجاب کو کم از کم چھ صوبوں میں تقسیم ہونا چاہئے۔ سندھ میں تین صوبے اور اس طرح باقی دو صوبوں کی بھی تقسیم کی جائے یا اس طرح ہو کہ ہر ڈویژن کو صوبے کا درجہ دے دیا جائے۔ سندھ میں مہاجر کثیر تعداد میں ہیں' جو اب قومیت کی شکل اختیار کر چکے ہیں آخر اس کی کوئی وجوہات تو ضرور ہیں۔ اس کے برعکس اگر یہ کہا جائے کہ صرف سندھ کو تقسیم کر دیا جائے تو بہت خوفناک ہو گا۔

ساحل: صوبوں کی اگر لسانی' علاقائی یا قومی بنیادوں پر تقسیم ہو گئی تو یوں پاکستان کی سالمیت و بقاء شدید خطرہ میں پڑ جائے گی۔

ڈاکٹر اسرار: نہیں ایسا کوئی خطرہ نہیں اگر ہندوستان نے لسانی بنیادوں پر صوبے قائم کئے تو اس کی سالمیت ختم ہو گئی؟ ساؤتھ ہندوستان میں ہندی کے خلاف بڑے مظاہرے ہوئے مگر ہم اردو کو مقدس سمجھ بیٹھے ہیں یہ حقائق ہیں اس سے چشم پوشی تو نہیں

کرنا چاہئے۔ ہمارے لئے مقدس زبان صرف عربی ہے۔ یہ بہترین پالیسی ہوتی اگر ہم اردو کے بجائے عربی سرکاری زبان قرار دے دیتے۔ یہ مطالبہ سر آغا خان اور سٹیٹ بنک کے پہلے گورنر زاہد حسین مرحوم سمیت متعدد راہنماؤں نے کیا تھا مگر ہمارے پاس تو بدقسمتی سے ایسی قیادت نہ تھی جس کو ناک سے آگے کوئی چیز نظر آتی۔ میرے نزدیک لسانی اور ثقافتی معاملات ملی وحدت کے خلاف نہیں ہیں۔ اسلام کو سب سے اوپر رکھیں اور اس کے نیچے جو چیزیں خلاف اسلام نہیں انہیں پروان چڑھایا جائے۔ یہ خواہ مخواہ ایک فوبیا اور خوف ہے کہ لسانی یا علاقائی بنیادوں پر صوبوں کی تقسیم سے کوئی خطرہ ہے۔ ملک کی سلامتی کو تو اب خطرہ ہے۔ کس طرح بلوچستان میں پٹھان اور بلوچ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنے ہوئے ہیں۔ کراچی میں مہاجر اور پٹھانوں میں پہلے خونریزی ہوئی پھر مہاجر اور سندھی لڑنے لگے اس سے بہتر ہے کہ چھوٹے چھوٹے صوبے بنا دیئے جائیں جہاں ہر ایک کی ثقافت اور زبان وغیرہ کو فروغ ملے۔

ساحل: آپ نے پاکستان میں قیادت کے فقدان پر اظہار افسوس کیا تو کیا قائداعظم بھی قیادت کے مقام پر نہیں پہنچ پائے تھے؟

ڈاکٹر اسرار: قائد اعظم بہت بڑے سیاست دان تھے اور میں شک نہیں کہ وہ ہمارے بہت بڑے محسن تھے مگر وہ مسلم لیگ کو پارٹی کی حیثیت سے ترقی نہ دے سکے تھے۔ اصل پاکستان مومنٹ تھی یہی وجہ تھی کہ جونہی قائد اعظم فوت ہوئے قیادت کا فقدان پیدا ہو گیا اور اصل قوت بیورو کریسی بن گئی اس کے بعد ملٹری آگئی۔ ذوالفقار علی بھٹو ایسے شخص تھے جن میں قیادت کے اوصاف تھے اور انہوں نے دو بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ایک یہ کہ انہوں نے سیاست کو وڈیروں کے ڈرائنگ روموں سے نکال کر گلی میں پہنچا دیا اور دوسرا یہ کہ مزدوروں میں احساس عظمت پیدا کیا۔ مگر وہ اقتدار میں آئے تو سیاست پر غنڈوں نے قبضہ کر لیا پہلے جاگیردار کے سجے سجائے ڈرائنگ روم میں اس سے ریپ ہوتا تھا اب وہ غنڈوں کے حوالے ہو گئی نیز وہ مزدور اور کسان کو کام کرنے پر آمادہ نہ کر سکے۔ غرضیکہ انہیں بھی کچھ ناکامیاں ہوئیں۔

ساحل: قیادت کا خلاء پر کرنے کے لئے حالیہ الیکشن میں قاضی حسین احمد ابھر کر سامنے آئے تھے ان کے بارے میں آپ کیا سمجھتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار: قاضی حسین احمد لائق آدمی ہیں۔ انہوں نے پاسبان اور اسلامک فرنٹ وغیرہ کی صورت میں نئی جماعتیں تو بنائیں مگر جماعت اسلامی کے ساتھ بھی نتھی رہے۔ عوامی مذہب اس کے ساتھ ہم آہنگ نہ تھا اسی طرح اس ملک کی ایک تاریخ ہے جو جماعت اسلامی سے نسبت نہیں رکھتی۔ اگر انہیں سیاسی طور پر کوئی کام کرنا ہے تو اپنا سلسلہ اس ماضی سے منقطع کرنا ہو گا۔ قاضی حسین احمد جماعت اسلامی کو چھوڑ دیں اور نئی تشکیل کے ساتھ پوری صلاحیتوں کے ساتھ سامنے آئیں جیسے بھٹو نے پیپلز پارٹی بنائی تھی۔ بہرحال ان میں ایک مسلم بھٹو بننے کی ذاتی صلاحیت اور استعداد تو ہے۔ ان کا المیہ یہ ہے کہ وہ اپنے ماضی کو بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ جماعت اسلامی ان کے لئے سونے کی ایک چڑیا ہے کیونکہ اس میں بڑے سادہ لوح اور مخلص کارکنان کی ایک فوج ہے۔

ساحل: ملک کی باقی دینی سیاسی جماعتوں کے بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار: ملک کی باقی جماعتیں فرقہ ورانہ بنیادوں پر قائم ہیں۔ ان کے میں سراسر خلاف ہوں۔ فرقہ ورانہ بنیادوں پر سیاست کرنا یا اس کے ذریعے اسلام کے نفاذ کا خیال ظاہر کرنا حماقت ہے سوائے اس کے کہ ان میں سے بعض افراد کو وی آئی پی ماحول یا بعض اوقات چند نشستوں پر کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ کچھ وڈیروں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ساتھ انہیں بھی کندھے سے کندھا ملا کر چلنے کے مواقع یا ان کی تقریبات میں شرکت کا کوئی موقع ہاتھ آ جاتا ہے۔ اس راستے سے کوئی اسلام نہیں آئے گا۔

ساحل: اس سے کیا یہ مراد لی جائے کہ پاکستان کا ماحول اسلام کے لئے سازگار نہیں ہے؟

ڈاکٹر اسرار: پاکستان کا ماحول اسلام کے لئے بہت سازگار ہے مگر یہ کام فرقہ واریت سے بلند ہو کر کیا جائے ثانیاً وہ اسلام عملی اسلام ہو اور لوگوں کو معلوم ہو کہ ان لوگوں کی ذات اور گھروں میں بھی اسلام کا عملی نفاذ ہے۔ ان کا معاش، ان کی معیشت اور معاشرت اسلامی ہے۔ پھر بھی وہ الیکشن کے راستے اقتدار میں نہیں آ سکتے۔ انہیں قربانیاں دینا ہوں گی اور کوئی ایجی ٹیشن اسلام کی خاطر چلانا ہو گی۔

ساحل: ڈاکٹر صاحب! اگر دینی جماعتوں کی ناکامی کا سبب آپ ان کی فرقہ ورانہ سرگرمیاں قرار دیتے ہیں تو جماعت اسلامی تو بظاہر کسی فرقہ کی نمائندہ نہیں ہے۔

ڈاکٹر اسرار: جماعت اسلامی بنیادی طور پر ایک انقلابی جماعت تھی جس نے انتخابات میں آ کر خود کو زائل کر لیا وہ اگر مزاحمتی تحریک لے کر چلتی تو بہت کامیاب ہوتی۔ OO

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان

کی تازہ ترین تالیف

برعظیم پاک و ہند میں

اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل

اور اس سے انحراف کی راہیں

شائع ہو گئی ہے ــــ جس میں

- اسلام کے ابتدائی انقلابی فکر اور اس میں زوال کی تاریخ کے جائزے کے بعد
- علامہ اقبال کے ذریعے اس کی تجدید اور مولانا آزاد اور مولانا مودودی کے ہاتھوں اس کی تعمیل کی مساعی اور ان کے حاصل، اور
- "اسلام کی نشأۃ ثانیہ میں ناگزیر تدریج اور اس کے تقاضوں" کے علاوہ
- اس فکر سے انحراف کی بعض صورتوں پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے ــــ!

سفید کاغذ پر ۱۴۰ صفحات، مع دیدہ زیب ٹائٹل کور ــــ قیمت فی نسخہ /۳۰

بلندی سے نہیں، زمین پر اُتر کر بات کیجئے

نجیب صدیقی

عوام نے اپنے نمائندے جہل کی سزا بھگتنے کے لئے منتخب نہیں کئے

کتا اگر کنویں میں گر کر مرجائے تو ڈول کی ایک مقررہ تعداد پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جاتا ہے' لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے کتے کو نکالا جائے۔ یہاں حال یہ ہے کہ کتے کو کنویں سے نکالتے نہیں اور فرماتے ہیں کہ کنویں سے پانی نکال نکال کر اسے پاک کر دیں گے۔ جو مسائل وجہ نزع ہیں' ان کو حل کئے بغیر امن کی تمنا فضول ہے۔ جس طرح کتے کو کنویں سے نکالے بغیر پانی کو پاک کرنے کا تصور عبث ہے۔

کراچی کے مسائل کو گولی اور ڈنڈے سے حل کرنا چاہتے ہیں۔ تند و تیز بیانات دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے بڑا تیر مار لیا ہے۔ جسم پر چرکے لگاتے ہیں اور اس پر نمک چھڑک کر اپنی انا کی تسکین کرتے ہیں۔ آخر یہ کب تک؟ کوئی وزیر ہو یا وزیر اعلیٰ' بڑی بلندی سے بات کرتا ہے۔ یگانہ چنگیزی نے اس کو اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے۔

خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگانہ مگر بنا نہ گیا

کراچی کے جو سنجیدہ لوگ ہیں وہ بار بار توجہ دلا رہے ہیں کہ مسائل کو سنجیدگی سے حل کرنے کے لئے حقائق کو تسلیم کرنا ہو گا' لیکن حکومت حقائق سے گریز کرنے پر تلی بیٹھی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ گرفتاریاں کر کے اور مقدمات بنا کر مسائل کو فتح کریں گے۔ یہ اس کی بھول ہے۔ ایک ایک شخص پر درجنوں مقدمات ہیں۔ ہماری عدالتوں کا جو حال ہے جہاں یہ مقدمات نپٹائے جاتے ہیں' ان مقدمات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایسی کئی عمریں درکار ہوں گی۔ جہاں تک پولیس کا تعلق ہے اس سے "معجزات" اور "کرامتوں" کا ظہور کوئی ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ جس سے چاہیں جب چاہیں "ایٹم بم" سے کم کم ہر چیز برآمد کر سکتے ہیں۔ کراچی شہر میں خواندگی کا تناسب دوسرے شہروں سے کہیں زیادہ ہے۔ سوچنے سمجھنے والوں کی بڑی تعداد ہے۔ ویسے تو آج کل ہر شخص تجزیہ کا ماہر ہو گیا ہے اور جانتا ہے کہ اخبارات میں کیا سچ شائع ہوتا ہے اور کیا جھوٹ۔ وزیر صاحب جو کچھ فرما رہے ہیں ان کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما ہیں؟

عوام الناس میں ہمارے کارفرماؤں کے بیانات پر اعتماد نام کی کوئی شے موجود نہیں۔ کوئی سا بھی چھوٹا بڑا "پیکج" انہیں مرعوب نہیں کر سکتا۔ جھوٹ اتنا بولا گیا ہے کہ سچ پر بھی جھوٹ کا گمان ہوتا ہے۔ لوگ آنکھیں کھول کھول کر شہر میں چلتے پھرتے ہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ روزانہ کئی بے گناہ قتل کر دیئے جاتے ہیں' قاتل گرفتار نہیں ہوتے۔ ڈکیتی اور چوریاں تو اس قدر ہیں کہ ہر شخص اپنے کو غیر محفوظ سمجھتا ہے۔ آپ گاڑی پر ہوں یا موٹر سائیکل پر' یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ صحیح سلامت اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے اور جو سواری آپ کے پاس ہے آپ کا ساتھ دے سکے گی یا نہیں' یعنی کہیں راستے میں آپ سے چھین نہ لی جائے۔

ہمارے ملک کا سربراہ کراچی شہر کا فضائی سروے کر کے خوش ہے کہ اس نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ گویا کہ شہری آبادی تو اب فضا میں رہتی ہے۔ اس شہر کے مسائل فضائی نہیں ہیں' سڑک اور گلیوں کے ہیں۔ انہیں سمجھنے کے لئے ان سڑکوں پر چلنا ہو گا' ان گلیوں میں گھومنا ہو گا۔ مگر نیت و ارادہ جب مسائل حل کرنے کا ہو تبھی ایسا ہو گا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت نے یہ طے کر لیا ہے کہ حقیقی مسائل سے ہٹ کر موہوم باتوں پر بیان بازی کرنا ہے اور اسی طرح اپنی مدت پوری کرنا ہے۔ عوام الناس نے جن لوگوں کو منتخب کیا ہے انہیں جہل کی سزا بھگتنے کے لئے نہیں' اپنے مسائل حل کرنے کے لئے منتخب کیا ہے۔

ایک طرف حکومت کہتی ہے کہ وہ عوامی مینڈیٹ کا احترام کرتی ہے' دوسری طرف یہی حکومت کراچی کے منتخب نمائندوں کا جس طرح احترام کر رہی ہے اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

ان منتخب نمائندوں پر پہلا الزام یہ ہے کہ یہ "دہشت گرد" ہیں۔ گویا کہ شہر کی عظیم اکثریت جو "دہشت گردوں" پر مشتمل ہے اس نے اپنے نمائندے "دہشت گرد" منتخب کئے ہیں۔ یہی نمائندے اگر حکومت کی چوکھٹ پر اپنی پیشانی رکھ دیں تو ان سے بڑا کوئی محب وطن نہیں ہے۔

دیہی اور شہری کی تفریق کی باتیں بھی عرصہ سے سنی جا رہی ہیں۔ آخر یہ تفریق کس نے پیدا کی ہے؟ یہ تفریق دن بدن نمایاں ہوتی جا رہی ہے۔ شہر اب جزیرہ بنتا جا رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ شہریوں کی عظیم اکثریت جب "دہشت گردوں" پر مشتمل ہے' جس نے اپنے نمائندے بھی "دہشت گرد" چنے ہیں تو انہیں یہ آپ حق کیوں نہیں دیتے کہ وہ اپنے دہشت گردوں کے مسائل حل کریں۔ آپ پارسا ہیں تو آپ ان پارساؤں کے مسائل حل کریں جن پارساؤں نے آپ کو منتخب کیا ہے۔ حکومت میں جو سنجیدہ مزاج لوگ ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اپنی حکومت کو مشورہ دیں کہ وہ دوہرا معیار اختیار کرنا چھوڑ دے۔ یہ دوہرا معیار عدل و انصاف کے بھی خلاف ہے' نبی کی تعلیم اور اللہ کے فرمان کے بھی خلاف ہے اور ساری پیچیدگیاں اس دوہرے میعار کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ یہ بات اگر سمجھ میں آ جائے تو یہ خود ان کی بھلائی کے لئے ہے۔ وہ لوگ جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں' انہیں سوچنا چاہئے کہ وہ اپنے حق میں کانٹے بو رہے ہیں یا پھول کیونکہ ہر آدمی کو اپنے عمل کا حساب تو دینا ہی ہے۔ شہری مسائل اپنی جگہ ہیں۔ باقی مسائل اپنی جگہ پر لیکن وہ مسئلہ جو "ام المسائل" ہے جس کی کوکھ سے ان سارے مسائل نے جنم لیا ہے' وہ جب تک حل نہیں ہو گا اس ملک کا ہر شہری عذاب میں گرفتار رہے گا اور آخرت میں مقبولیت اپنی جگہ پرا

یہ ام المسائل یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا اس کی طرف ہم کوئی پیش قدمی نہ کر سکے تو آخر کیوں؟ ایک ایک فرد سے اس کی جوابدہی ہونی ہے۔ کوئی سیاسی جماعت' کوئی مذہبی جماعت' کوئی ادارہ اس پوچھ گچھ سے نہیں بچ سکے گا۔ اس ملک میں اس نے اپنی توانائیاں کس مقصد میں

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

زندگانی کی گزرگاہوں میں

تبدیلی کیا اتنی تیز رفتار بھی ہو سکتی ہے؟

● —— اقتدار احمد

۹/ مئی کے امریکی ہفت روزے "نیوز ویک" میں سرورق کی کہانی ایشیا کے پرہجوم شہروں کے بارے میں ایک باتصویر فیچر پر مشتمل تھی جس میں کرۂ ارض کے اس علاقے میں واقع بڑے شہروں کا ذکر ہے جہاں تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی نے ان بستیوں کا ناک میں دم کر دیا ہے۔ تصویروں میں ڈیڑھ صفحے پر پھیلی ہوئی سب سے بڑی تصویر چین کے دارالحکومت بیجنگ کے ایک بازار کی تھی جس پر آنکھیں جم کر رہ گئیں۔ غور سے دیکھا تو پہچاننے میں زیادہ دشواری نہ ہوئی کہ "یہ تو وہی جگہ ہے گزرے تھے ہم جہاں سے"۔

اپریل ۱۹۸۵ء کا تیسرا ہفتہ میں نے چین میں گزارا اور زیادہ وقت بیجنگ میں ہی لگا تھا اور یہاں اگرچہ اس سفر کی روداد کا بیان مقصود نہیں تاہم "نیوز ویک" کی اس تصویر نے طائرِ خیال کو پر پھیلانے پر اس درجہ مجبور کر دیا ہے کہ کچھ کہے بنا رہا نہیں جاتا۔ ۹/ مئی کے شمارے میں شائع ہونے والا یہ فوٹو ظاہر ہے کہ اپریل ہی کی کسی تاریخ کو کیمرے میں محفوظ کیا گیا ہو گا اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ ٹھیک نو سال پہلے میں نے اس مقام کو بچشم خود دیکھا تھا۔ اس میں دو طرفہ عمارات وہی ہیں اور برقی رَو سے چلنے والی بسیں بھی وہی لیکن بھیڑ بھڑکا یعنی ہجوم زنان و مرداں پہلے سے کہیں زیادہ ہونے کے علاوہ رنگ ڈھنگ اور چال ڈھال میں اتنا مختلف اور متنوع ہو گیا ہے کہ یقین نہیں آتا کہ تبدیلی کی ہوا جس کے ہلکے ہلکے جھونکے میں نے اس وقت بھی محسوس کئے تھے' اتنے تند و تیز جھکڑ کی شکل بھی اختیار کر لے گی۔

اب اتنا تو بتانا ہی ہو گا کہ میں وہاں تعمیراتی مواد کی تیاری کے لئے مشینری بنانے والی چین کی سرکاری کارپوریشن کا مہمان تھا اور تب تک وہاں سبھی کچھ سرکاری تھا۔ ہوائی ٹکٹ کے پیسے تو میں نے پلّے سے دیئے لیکن بیجنگ کے ہوائی اڈے سے برآمد ہونے کے بعد سے لے کر واپسی کے لئے اسی ایئرپورٹ کی عمارت میں داخل ہونے تک پورے آٹھ دن میرے جملہ اخراجات بذمۂ سرکار تھے۔ غیر ملکیوں کے لئے مخصوص اچھے ہوٹل میں قیام و طعام' اندرون ملک سفر' متعدد فیکٹریوں کے مطالعاتی دوروں اور سیر سپاٹے کے علاوہ جو سہولتیں مجھے حاصل تھیں ان میں باوردی شوفر کے ساتھ ایک بڑی چینی کار ہمہ وقت اور چار افراد کی اتوار کے علاوہ روزانہ آٹھ گھنٹے کی معیت بھی شامل تھی' ایک مرد مترجم' ایک مرد سول انجینئر' ایک خاتون کیمیکل انجینئر اور ایک فوٹوگرافر جس کی جنس ان چند دنوں میں کئی بار بدلی۔ یہ چاروں خواتین و حضرات مقامی سفر میں کار کی پچھلی سیٹ میں سما جاتے اور مجھے فرنٹ سیٹ پر خوب پھیل کر بیٹھنے کا اعزاز دیا جاتا۔ یہ ضروری بھی تھا کیونکہ مسٹر شیا (یہ مترجم کا نام تھا) سے سوال کرنے اور پھر جواب حاصل کرنے کے لئے مجھے بار بار پہلو بدلنا ہوتا تھا جن میں سے کچھ وہ کسی ساتھی سے پوچھ کر بزبانِ انگریزی مجھے پہنچایا کرتے تھے۔

ایک سہ پہر دو نواحی فیکٹریوں کا چکر مکمل کرنے کے بعد ہوٹل واپس پہنچنے پر میں نے اپنے میزبانوں سے بازار کے ایک پھیرے کی فرمائش کی۔ انہوں نے اپنی جناتی زبان میں باہم تبادلۂ خیال کے بعد مجھے بتایا کہ باقی لوگ تو رخصت ہو جائیں گے البتہ مسٹر شیا اور کار بدستور میری اردل میں ہیں' آج میں جب تک چاہوں ان کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں اور یہ مجھے معلوم ہی تھا کہ شیا کا بٹوہ چینی کرنسی یوآن کے نوٹوں کی تہوں سے اس شام بھی متورم ہو گا جو کارپوریشن نے میری مہمانداری کے اخراجات کے لئے اسے فراہم کر رکھے ہیں۔ شیا نے انہیں خرچ کرنے بلکہ لٹانے کا کوئی موقع اب تک ہاتھ سے جانے بھی نہ دیا تھا تاہم اس روز میں نے گاڑی میں سوار ہوتے ہی اسے بتایا کہ آج میں اپنی جیب خاص کا منہ کھولوں گا کیونکہ میں "سوو۔نئیر" خریدنے کے موڈ میں ہوں جو اپنے پیسے سے خریدے ہی مزا دیتے ہیں۔ دراصل مجھے ان خوبصورت جھالروں اور چھت سے لٹکتے چھوٹے چھوٹے فانوسوں اور پرکشش قمقموں کی تلاش تھی جو پاکستان میں ہر بڑے شہر کے چینی ریسٹورانوں میں گاہکوں کی نظروں میں کھُب کر رہ جاتے ہیں۔ میں نے شیا سے کہا کہ پہلے میرے کچھ ڈالر مقامی کرنسی میں تبدیل کرانے کا انتظام کرو۔

چینی معاشرے کا اچٹتی نگاہوں سے تو ظاہر ہے کہ پچھلے کئی دنوں سے جائزہ لے ہی رہا تھا' آج شہر کے مرکز یعنی "ڈاؤن ٹاؤن" کی طرف جاتے ہوئے زیادہ بھرپور مناظر کھل کر سامنے آئے۔ ہم سیدھے "فرینڈ شپ سٹور" پہنچے جو ایک خاصی بڑی تین منزلہ عمارت تھی۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ ایک ڈیپارٹمنٹل سٹور تھا جو خاص طور پر غیر ملکیوں اور سیاحوں کے ذوق خریداری کی تسکین کے لئے آراستہ کیا گیا۔ صدر دروازے سے ہم ایک بڑے ہال میں داخل ہوئے جس میں دائیں بائیں دفاتر کی قسم کے کمرے تھے جن کی بڑی کھڑکیوں میں کاؤنٹر بنے ہوئے تھے اور سامنے ایک بہت کشادہ زینہ اوپر کی طرف جا رہا تھا۔ ہم ایک کاؤنٹر پر جا رُکے تو وہ بورڈ بھی نظر آ گیا جس پر مختلف ممالک کی کرنسیوں کی شرح تبادلہ درج تھی۔ میں نے جیب سے اپنی رقم نکال کر پچاس ڈالر کا ایک نوٹ علیحدہ کیا تو شیا کا اشارہ ملا کہ پاسپورٹ بھی نکالو۔ کاؤنٹر کی دوسری جانب کھڑی خاتون نے چہرے پر ایک مصنوعی بلکہ مشینی مسکراہٹ طاری کر کے میرا پاسپورٹ اور وہ نوٹ وصول کیا اور پھر پاسپورٹ سے لے کر کچھ کوائف اپنے رجسٹر میں درج کرتے ہوئے چند سوالات اس نے مسٹر شیا سے بھی کئے جو اپنے جوابات سمیت میری فہم سے بالاتر تھے۔ اب حساب جوڑنے کے لئے خاتون نے اپنا "کیلکولیٹر" نکالا تو یہ بھی میرے لئے ایک عجوبہ ثابت ہوا۔

آپ نے بھی دیکھا ہو گا کہ بچوں کو اعداد کا تصور دینے اور گنتی سکھانے کے لئے ہمارے یہاں ایک کھلونا نما چیز سٹیشنری اور کھلونوں کی عام دکانوں پر نظر آتی ہے۔ لکڑی کے ایک فریم میں لوہے کے تار سے بنی ہوئی دس تیلیاں لگی ہوتی ہیں جن میں لکڑی سے ہی بنی ہوئی ایک سے لے کر دس تک رنگ برنگی گولیاں پروئی جاتی ہیں۔ ایسی ہی ایک لیکن چھوٹی سی چیز کاؤنٹر کی دراز سے اس خاتون نے نکالی جس کا فریم تقریباً تین ضرب چھ انچ تھا اور دس ہی تیلیوں میں سے ہر ایک پر چھوٹی چھوٹی دس دس گولیاں چھاچم کر رہی تھیں۔ ذرا کی ذرا خاتون نے ان گولیوں کو اپنی انگلیوں کے ذریعے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر حرکت دی پھر انہیں مختلف تیلیوں میں الگ الگ مقامات پر چھوڑ

کر اپنے سامنے کاؤنٹر پر رکھ لیا اور اسے دیکھ دیکھ کر ایک چھپے ہوئے فارم پر وہ رقم لکھی جو تبادلے میں مجھے ملنے والی تھی۔ لیکن یوآن کے جو بالکل نئے اور کرارے نوٹ میرے ہاتھ لگے وہ ان سے قطعاً مختلف تھے جن کی جھلک میں مسٹر شیا کے بٹوے میں دیکھتا رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ غیر ملکیوں کے استعمال کے لئے مخصوص نوٹ چھاپے جاتے ہیں کیونکہ یوآن کی مقامی کرنسی صرف چین کے شہریوں کے لئے ہے۔

وہی شام تھی جس میں فرینڈ شپ سٹور سے نکل کر ہم بازاروں میں ٹہلتے رہے اور اسی چہل قدمی کے دوران اس مقام سے بھی گزر ہوا تھا جو آج "نیوز ویک" کے صفحات میں تصویر کی صورت میرے سامنے ہے۔ یہ تصویر اس منظر سے کتنی مختلف ہے جو میرے حافظے کی لوح پر محفوظ ہے! اس فرق و تفاوت کو کیا نام دوں جو یہاں نو برس کے قلیل عرصے میں واقع ہو گیا ہے؟۔ یہ قلبِ ماہیت نہیں تو اور کیا ہے! تاریخ انسانی میں اتنی تیز رفتار تبدیلی کیا پہلے بھی کبھی آئی ہے؟ ہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳ سالہ مکی دور میں ابتدائی تیاریاں مکمل کر کے یثرب میں جائے قرار میسر آنے کے بعد، پچیس تیس مہینوں کی منصوبہ بندی کے نتیجے میں اسے مدینہ کی شہری ریاست کی شکل دے کر، اگلے سات آٹھ برسوں میں جو انقلاب برپا کر دکھایا تھا، اس کی نظیر نہ پچھلی تاریخ میں موجود ہے نہ ابد تک کبھی پیدا کی جا سکے گی۔ کسی بھی نسبت و تناسب کو ذہن سے خارج کر کے سوچتا ہوں (کہ "چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک") تو ماؤزے تنگ کے لائے ہوئے انقلاب میں اس سے ایک حسابی مشابہت مجھے تو ضرور محسوس ہوتی ہے چاہے وہ میری کم علمی پر ہی مبنی کیوں نہ ہو۔

ماؤزے تنگ نے بھی لگ بھگ اتنا ہی عرصہ تیاری کر کے اور ہجرت کی طرح کے "لانگ مارچ" کے مرحلے سے گزر کر محمد عربیؐ کے ہمہ گیر انقلاب کے مقابلے میں بالکل جزوی سا جو ایک انقلاب برپا کیا، اس نے بھی تقریباً اتنی ہی بہاریں دیکھی ہیں جتنی دور خلافت راشدہ کے اختتام تک انقلاب محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے دیکھی ہی نہیں بلکہ وہ محکم اثرات بھی چھوڑے جنہوں نے اگلی کئی صدیوں پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے رکھا اور تاریخ کے دھارے کا رخ ہی موڑ دیا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں قائم ہونے والے مارکسی ماؤ ازم کے ڈھانچے کو میں ۱۹۸۵ء میں اپنی آنکھوں سے اسی طرح کھڑا دیکھ کر آیا ہوں جیسے خلافت راشدہ کی شان اس کے اختتام تک برقرار رہی اور اگر کچھ کمزوری موخر الذکر میں پس پردہ کارفرما ہو چکی تھی تو اس نے اول الذکر کو بھی یقیناً اندر ہی اندر گھن کی طرح چاٹ لیا ہو گا ورنہ اگلے چند برسوں میں وہ یوں زمیں بوس نہ ہو جاتا اور مشابہت کی بات بس ایک اور عامل کے ذکر کے بعد تمام ہو جاتی ہے کیونکہ دونوں کے انہدام کے انداز میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان دونوں ہی میں نہیں، ہر انقلاب کی تاریخ میں مشترک عامل یہ ہے کہ جلد یا بدیر سب ہی کھولت کے شکار ہو جاتے ہیں یعنی گزرتے وقت کے ساتھ ناموافق ردعمل کی قوتیں (Re-actionary Forces) موقع پاتے ہی حملہ آور ہو کر انہیں ٹوٹ پھوٹ اور فرسودگی کے حوالے کر دیتی ہیں۔

آسمانی ہدایت کے تحت جو بابرکت اسلامی انقلاب برپا ہوا، اسے تفہیم کی خاطر اگر ایک شاندار کثیر المنزلہ عمارت سے تشبیہ دی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ خلافت راشدہ کے اختتام پر اس کی سب سے اوپر والی ایک منزل منہدم ہو گئی تھی ورنہ باقی پوری عمارت نہ صرف بدستور کھڑی رہی بلکہ اس کی شان و شوکت میں چار چاند لگے۔ پھر امتداد زمانہ کے ساتھ یہ عمارت منزل بہ منزل گرتی چلی گئی تاآنکہ تیرہ صدیوں کے فصل کے بعد ہمارے قریبی زمانے میں وہ آخری منزل بھی زمین پر آ رہی جو خلافت عثمانیہ کی شکل میں صلیبی دنیا کے سینے پر مونگ دل رہی تھی۔ اب بس بنیاد اور عمارت کی کرسی (Plinth) باقی رہ گئی ہے یا پھر وہ ملبہ جو گواہ ہے کہ عمارت عظیم تھی۔ تاہم یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا کے ہر حصے میں جہاں مسلمان آباد ہیں، اسی بنیاد پر تعمیرِ نو کی منصوبہ بندی پورے جوش و جذبے اور زور شور سے جاری ہے۔

کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

اس کے برعکس روس میں تو بالشویک انقلاب تاریخ کی گور میں اتار ہی دیا گیا بلکہ اس کی کئی برسیاں بھی منائی جا چکی ہیں، چین میں بھی ماؤ کا مارکسزم لینن ازم لگتا ہے کہ اب آخری دموں پر ہے۔ ۱۹۸۵ء میں اسے میں نے جس حال میں دیکھا اسے زیادہ سے زیادہ نزلہ زکام کی کیفیت کا نام دیا جا سکتا تھا، جیسے ناک بہہ رہی ہو جو کسی اچھے جوشاندے کی دو چار پیالیوں سے خشک ہو جایا کرتی ہے۔ شہر کے اسی چکر سے واپسی پر ہماری گاڑی بازار سے نکل کر جونہی نسبتاً کشادہ شاہراہ پر آئی تو بائیں جانب۔ پندرہ بیس چینی ایک قطار میں سڑک اور فٹ پاتھ کے مابین زمین پر بچھی چٹائیوں پر دکانیں جمائے نظر آئے۔ میں نے متجسس نظروں سے ادھر دیکھا تو شیا نے مسکراتے ہوئے مجھے بتایا "یہ ہماری بلیک مارکیٹ ہے"۔ تفصیل اس کی یہ تھی کہ جاپان سے کچھ سامان آرائش، گھریلو استعمال کے چھوٹے موٹے برقی آلات اور ایسی ہی دوسری الا بلا چیزیں سمگل ہو کر آتی ہیں اور ان عارضی دکانوں پر "چوری چھپے" فروخت ہونے لگتی ہیں۔ پہلے کچھ عرصہ حکومت کے کارندوں کے ساتھ ان دکانداروں کی آنکھ مچولی چلتی رہی، اب سرکار نے اس دھندے کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا ہے۔ پورے شہر میں سرکاری سٹوروں پر مشتمل بازاروں کے علاوہ کُل کا کُل ذاتی کاروبار (یعنی پرائیویٹ انٹرپرائز) بس یہی کچھ ہے جس کی گاہکی بڑھتی جا رہی ہے۔ لوگ اپنی تنخواہوں میں سے کچھ تھوڑا بہت پس انداز کر کے اس "سامان تعیش" کی طرف لپکنے لگے ہیں۔

لیکن یہ تصویر تو منہ سے بول رہی ہے کہ بعد کے نو برسوں میں پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی، نہیں بڑے بڑے ریلے گزر گئے ہیں۔ جس یکساں وضع قطع میں پوری قوم کو، بلا لحاظ عمر و جنس اور عہدہ و مرتبہ میں نے دیکھا تھا، اس کا ہزاروں کے اس مجمع میں کسی ایک بھی مرد یا عورت پر شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ وہ لباس عنقا ہو گیا ہے جو سادہ تھا اور ساتر بھی اور مرد و زن سب کے لئے ایک ہی رنگ، ایک ہی نوع کے کپڑے اور ایک ہی سٹائل میں سلا ہوا مہیا کیا جاتا تھا۔ عورت کے جسم کے خطوط بھی اس لباس میں نمایاں نہیں ہوتے تھے جس کی واحد پہچان بالوں کی سادہ سی چٹیا تھی۔ ہاں، ایک اور بھی تھی، چہرے کی وہ نسوانیت جو اللہ میاں نے خود اپنے ہاتھوں بنائی اور کوئی بھی بڑے سے بڑا پھنے خاں جسے عورت سے چھیننے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ کسی بھی قسم کے میک اپ اور ملمع سازی سے بالکل عاری ان چہروں کو مصنوعی مساوات کے غیر انسانی رویے اور غیر فطری محنت و مشقت کی کڑی دھوپ نے حیا کی شفق سے بھی اگرچہ محروم کر دیا تھا تاہم شگفتگی کے وہ پھول ابھی پوری طرح کملائے نہیں تھے جو صنف نازک کے

چہروں کا امتیاز ہوتے ہیں۔ اب خواتین کے بالوں کے سٹائل کی بوقلمونی اور میک اپ کی فراوانی اس تصویر تک میں نمایاں ہے۔ ننگی ٹانگیں' عریاں بانہیں اور کھلے سینے دعوت نظارہ دے رہے ہیں۔ مردوں کے پہناوے میں بھی وہ پورا تنوع موجود ہے جو ٹوکیو یا سیول میں دکھائی دیتا ہے۔ انگریزی کے بورڈ اور نیون سائن بھی نظر آ رہے ہیں جو پہلے بالکل غائب تھے۔ بسیں وہی پہلے والی ہیں لیکن ان کے درمیان سینڈوچ کاریں سب کی سب جاپانی ہیں جبکہ بیجنگ میں خال خال چینی کاروں کے علاوہ میری نظروں سے محض دو جاپانی کاریں گزری تھیں' ایک فرینڈ شپ سٹور کے باہر اور دوسری اپنے ہوٹل کے پورچ میں۔ سفارتی نمائندوں کے پاس غیر ملکی کاریں ضرور ہوں گی لیکن وہ زیادہ سرگشت نہیں کرتی تھیں۔

میں نے یہاں انسانوں کا وہ اژدہام بھی نہیں دیکھا تھا جو اس تصویر میں نظر آ رہا ہے۔ لوگوں کو گھومنے پھرنے کی یہ فرصت ڈھونڈے بھی کہاں ملتی تھی!۔ بیشتر لوگ سائیکلوں پر سوار بس یہاں سے گزرتے ملے تھے یا پھر معدودے چند پیدل مرد و زن جو ضروریات زندگی خرید کر ان کا بوجھ ہاتھوں میں آویزاں تھیلوں میں اٹھائے تیز تیز قدم اٹھاتے گھروں کا رخ کر رہے تھے۔ موٹر سائیکلوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی لیکن اب دیکھتا ہوں تو اس تصویر میں جو دو رویہ سڑک کی پوری چوڑائی اور کم سے کم سو گز لمبائی سمیٹے ہوئے ہے' صرف ایک سائیکل نظر آتی ہے اور ایک ہی موٹر سائیکل بھی۔

الغرض ان نو برسوں میں بیجنگ کی دنیا ہی بدل گئی ہے۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے کے ابتدائی برسوں تک چین اپنے بیرونی دروازے بند کئے بیٹھا تھا۔ وسط تک پہنچتے پہنچتے دروازوں میں اتنی درزیں پیدا ہو گئی تھیں کہ مغربی ترقی و خوشحالی کے آسمان پر نصف النہار چمکتے سورج کی چند شعاعیں صحن چمن میں کچھ لکیریں سی ڈالنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ پھر شاید دروازوں کے پٹ بالکل ہی کھول دیے گئے' اب مغربی تہذیب و تمدن اور "ترقی و خوشحالی" کا سیلاب شہروں کو تو بہالے گیا ہے' دیہات کب تک بچیں گے!۔ کیا مارکسزم' لینن ازم' ماؤ ازم کی نشاۃ ثانیہ کی امید بھی رکھی جا سکتی ہے؟۔ ہرگز نہیں۔OO

بقیہ : خطبۂ خلافت

بنیاد پر وجود میں آتے ہیں۔ آپ نے اپنے سرمایے کو نکال لیا' اپنے Asset بنالئے' اور پھر Declare کر دیا۔ اب وہ روتے پھریں جن کا آپ نے دینا تھا۔ آپ کی ذاتی جائیداد سے وہ اپنا قرض وصول نہیں کر سکتے۔ شراکت کے نظام میں Total Liabilty ہو گی۔ ہمارے ہاں پوری صنعت کا ہی یہ معاملہ ہے۔ اکثر ایسے ہوتا ہے کہ تھوڑا سا سرمایہ لگایا جاتا ہے اور بینک سے بہت بڑا قرض حاصل کر لیا جاتا ہے۔ اس قرض میں سے اپنا سرمایہ بھی نکال لیتے ہیں اور بہت کچھ لوٹ کھسوٹ کر کے بعد میں "Shake hand deal" کا طریقہ کار اپنا لیتے ہیں۔ اس طرح سارا تاوان بینک پر آتا ہے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ بینک کس کا ہے؟ ظاہر ہے بینک نے لوگوں کی ہی دولت جمع کی ہوئی ہے! یہ سارے سرمایہ دارانہ ہتھکنڈے ہیں جو دنیا میں ایجاد ہو چکے ہیں۔ اس کے برعکس شراکت کا تصور یہ ہے کہ آپ کے کسی کاروباری معاملے میں کوئی شریک ہوتا ہے' اب اگر کوئی گڑ بڑ ہوتی ہے تو آپ کو ذمہ داری قبول کرنی ہو گی۔ گویا آپ کو اس کا تاوان ادا کرنا ہو گا۔

تیسری شکل یہ ہے کہ سرمایہ کسی اور کا ہے اور کام کرنے والا کوئی دوسرا شخص ہے۔ اس شکل کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ اس کو مضاربت کہتے ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی سرمایہ دار محض اپنے سرمائے سے نفع حاصل کرتا ہے۔ ظاہر ہے اس کی عملی صورت یہی ہوتی ہے کہ سرمایہ میرا ہے اور محنت آپ کر رہے ہیں گویا مجھے نفع بغیر محنت کے محض سرمائے کی بنیاد پر ہو رہا ہے!! لیکن یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اصل تحفظ محنت کو حاصل ہے سرمائے کو نہیں ہے۔ اگر نقصان ہوتا ہے تو مکمل طور پر وہ شخص برداشت کرے گا جس نے سرمایہ لگایا ہے۔ اس تصور سے سرمایہ دارانہ ذہنیت کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ یہ کام کوئی سرمایہ دار کرنے کو تیار نہیں ہے۔ مضاربت میں اگر نفع ہوتا ہے تو سرمایہ لگانے والا اور محنت کرنے والا برابر کے شریک ہیں۔

اس سے آگے بڑھ کر محض سرمائے کی بنیاد پر معین نفع بغیر کسی نقصان کا خطرہ مول لئے' حاصل کرنا شریعت میں اتنا حرام ہے کہ اس سے زیادہ اور کوئی چیز حرام نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ" کہ اگر سودی لین دین سے باز نہیں آتے تو کان کھول کر سن لو' تمہاری اس روش پر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ اعلان جنگ کسی اور گناہ پر نہیں کیا گیا۔ زنا' چوری' کسی پر نہیں! اگر اعلان جنگ آیا ہے تو وہ سود پر آیا ہے۔ ہم اس کو بہت ہی ہلکی چیز سمجھتے ہیں۔OO (جاری ہے)

بقیہ : توجہ طلب

صرف کیں۔ اس ملک کو حاصل کرتے وقت اللہ سے جو عہد کیا تھا' اسے ایفا کیوں نہیں کیا؟۔ اپنی دنیا بنانے میں مگن رہے' آج وہی دنیا عذاب بن کر مسلط ہو گئی ہے۔ بدامنی و بے چارگی کا عذاب' لسانی فتنوں کا عذاب' فرزند زمین کا عذاب' صوبائی عصبیت کا عذاب' چوری ڈکیتی' قتل و غارت گری کا عذاب-----

اس عذاب سے نکلنے کی واحد صورت توبہ' تجدید ایمان اور تجدید عہد ہے۔ ہر شخص انفرادی سطح پر یہ عہد کرے کہ آج سے ان معبودان باطل پر لعنت بھیج کر اپنے رب سے رشتہ استوار کرنا ہے۔ بندگی رب کو ہر سطح پر قائم کرنے کے لئے اپنی پوری توانائیاں صرف کرنی ہیں۔ باطل نظام جس نے ان تمام مسائل کو جنم دیا ہے' اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے۔ یہ کام انفرادی سطح پر نہیں ہو سکتا اس کے لئے ایک بنیان مرصوص جماعت بنانی پڑے گی۔ اگر ایسی کوئی جماعت اس معاشرے میں موجود ہے تو اس سے جڑ کر اسے ایک عظیم قوت بنانا ہے تاکہ مستقبل میں اس نظام عدل اجتماعی کو نافذ کیا جا سکے جو ہر فرد کے حقوق کا نگران ہو گا۔ وہ نظام جو انسانیت کے فوز و فلاح کا ضامن ہے۔ جس میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پینے کی سہولت رکھتے ہیں۔ جہاں دست درازی کرنے والے ہاتھ قلم ہو جاتے ہیں۔ جو مرد و زن کی عزت و ناموس کا محافظ ہے۔ اس نظام میں جس کسی کو بھی ملتا ہے وہ عدل کی ترازو میں تل کر ملتا ہے۔

وہ لوگ جو اس نظام کو برپا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں گویا کہ انہوں نے صراط مستقیم کو پا لیا ہے۔ دنیا میں ان کی سعی و کوشش اگر بار آور نہ بھی ہوئی تو آخرت ان کے لئے چشم براہ ہے۔OO

بقیہ : جنگ عظیم دوئم

۱۹۴۵ء تک امریکی جرمنی پر ایٹم بم گرا رہے ہوتے اور ہیروشیما اور ناگاساکی کے بجائے برلن اور فرینکفرٹ کے نام ہوتے۔ بہرحال یہ شاید پہلا اور آخری موقع تھا کہ یورپ کی سرزمین پر امریکیوں نے اپنا خون بہایا۔OO

MUSLIM UNITY ORGANISATION PRESENTS

THE LARGEST INTERNATIONAL MUSLIM CONFERENCE HELD OUTSIDE THE MUSLIM WORLD

3rd March

1924

The Khilafah Conference

Wembley Arena, London • 7th August '94

Speakers from • Pakistan - Dr.Israr Ahmed • Jordan - Abu Talha • America - M.Hannini • Britain - O.Mohammed & F.Kassim • Kenya - A.Abdullah • and others

Conference site includes creche facilities, books sale, audio & video tapes, and bazaar. Food and drinks will be available throughout the day. Due to the unprecedented demand, we advise all attendees to book early. Tickets are available through Wembley Arena Box Office or the following places: Bradford (0274) 391549 or 0374 296975, London (081) 9980868 & (081) 5420695, Birmingham (021) 3563415, Cardiff (0222) 457356, Manchester (061) 4426304, Slough (0753) 528833, Sheffield 0831 804742, Watford (0923) 233052, Luton (0582) 574165

Ticket price £3 • Seating limited to 12,000 only • Beware of false cancellations, contact 0956 271964 (24 hrs)

حزب التحریر کی "خلافت کانفرنس" کا اعلان جو امسال ۷/ اگست کو لندن میں ہو رہی ہے۔ مقررین میں داعیٔ تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد کا نام سرفہرست ہے۔ موصوف امریکہ کے دورے پر روانہ ہو چکے ہیں جہاں سے واپسی پر اس کانفرنس سے خطاب کریں گے۔

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

دخترانِ ملت کے نام

(ایک دردمندانہ اپیل)

از سید عبدالعزیز بخاری
علامہ اقبال ٹاؤن۔ لاہور

ہے زندگی اک امتحاں
آؤ کریں کچھ کام یاں

میرے وطن کی بیٹیو میری نوائے غم سنو!
اک سوز ہے دل میں نہاں اک درد ہے کرتا بیاں
کچھ خدمت اسلام ہو دین و وطن کا کام ہو
مہلت ہے تھوڑی کام کی اٹھ فکر کر انجام کی
راضی خدا ہو اور رسولؐ ہر گام پر ہو یہ اصول
دل میں یہی ہے اک لگن پھولے پھلے اپنا چمن
اسلام ہو اپنا وطن اسلام ہو اپنا وطن!
ہے زندگی اک امتحاں
آؤ کریں کچھ کام یاں

تم ہو مسلماں زادیاں اسلام کی شہزادیاں
اسوہ تمہارا ہیں بتولؓ وہ طاہرہ بنتِ رسولؐ
تہذیبِ مغرب چھوڑدو مذہب سے رشتہ جوڑ لو
تہذیبِ مغرب بے ردا اخلاق سوز و بے حیا
بے پردگی اک زہر ہے گویا خدا کا قہر ہے
شیطان کا یہ جال ہے اک فتنہ ہے اک چال ہے
زنجیرِ باطل توڑ دو شیطان کا سر پھوڑ دو!
ہے زندگی اک امتحاں
آؤ کریں کچھ کام یاں

ایمان ہے دولت تری اسلام ہے عزت تری
شرم و حیا عفت تری ہے بے بہا دولت تری
رشکِ گہر عظمت تری کوہِ صفا غیرت تری
علم و عمل ہے زندگی جدوجہد ہے زندگی
ہر دم دواں ہے زندگی پیہم رواں ہے زندگی
لیکن ہماری زندگی مقصد ہے اس کا بندگی
بے بندگی جو زندگی گزرے ہے وہ شرمندگی
ہے زندگی اک امتحاں
آؤ کریں کچھ کام یاں

امت کی ہے تقدیر تو اس شب کی ہے تنویر تو
اسلام کی تصویر تو ایمان کی تفسیر تو
دیکھا جو تھا اقبالؒ نے اس خواب کی تعبیر تو
اپنی خودی پہچان تو ہے قوم کا دل جان تو
پختہ جو کر ایمان تو پھر دیکھ اپنی شان تو
ملت کی تو معمار ہے قدرت کا اک شہکار ہے
عزم بلند درکار ہے پھر سب کا بیڑا پار ہے
ہے زندگی اک امتحاں
آؤ کریں کچھ کام یاں!!

اطلاع

تحریک خلافت پاکستان کے مرکزی دفتر واقع ۴ - اے مزنگ روڈ
لاہور میں فیکس مشین نصب کردی گئی ہے جس کا نمبر 311668 ہے۔